مرآۃ الرشاد

وصیت نامہ

برائے اعزّا و احباب و اولاد

تالیف: آیۃ اللہ الشیخ عبد اللہ المامقانی طاب ثراہ

ادارہ حضرت مقدادؓ

مرآۃ الرشاد

وصیت نامہ

برائے اعزّا واحباب واولاد

تالیف:

آیۃ اللہ الشیخ عبداللہ المامقانی طاب ثراہ

تحقیق:

حجۃ الاسلام والمسلمین الشیخ محی الدین المامقانی طاب ثراہ

ترجمہ:

السید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ

ادارہ حضرت مقدادؓ

فہرست

مقدمہ مؤلف (طبع ثالث)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلوٰة والسّلام علیٰ نبیّہٖ وَآلِہٖ الغُرّ المیامین

اما بعد! عبدِ ضعیف فانی عبداللہ مامقانی عرض پرداز ہے کہ جب میں نے زندگی کے اختصار اور موت کے عدم اعتبار کا مشاہدہ کیا اور یہ دیکھ لیا کہ اجل مہلت نہیں دیتی اور وقتِ معین ٹلتا نہیں ہے تو مجھے یہ خطرہ محسوس ہوا کہ کہیں اپنے فرزند کی ذہنی تربیت سے پہلے ہی موت نہ آجائے اور یہ فریضہ تشنۂ تکمیل رہ جائے اس لیے میں نے ضروری سمجھا کہ وصیت نامہ کے طور پر مکمل ایک رسالہ لکھ دوں جو میری اولاد، ذرّیت اور احباب سب کے لیے وصیت نامہ بن جائے اور سب کے کمال دین و دنیا کا سہارا بن جائے۔

میری خواہش ہے کہ میری جملہ اولاد اور میرے تمام برادرانِ ایمانی ہفتہ یا مہینہ میں کم از کم ایک بار اس وصیت نامہ کا مطالعہ کریں اور میری اولاد میں جو بھی ایسا نہ کرے گا وہ میری نظر میں عاق شمار ہوگا اور اس کی فلاحِ دنیا و آخرت کی کوئی امید نہیں اور کسی میں بعض وصیتوں پر عمل کرنے کا ملکہ پیدا ہوجائے تو باقی کے بارے میں بھی اسی طرح کی کوشش کرتا رہے تاکہ پوری کتاب پر عمل کرنے کا ملکہ حاصل ہوجائے۔

میرے متعلقین میں جو بھی اس وصیت نامہ پر عمل کرے گا اس کے بارے میں رب جلیل سے میری دعا ہے کہ اس کی دنیا و آخرت کو سازگار بنا دے اور وہ کسی مقام پر برائی سے دوچار نہ ہو، عمر میں وسعت حاصل ہو اور راحت و آرام زندگانی نصیب ہو۔ پروردگار! اس وصیت نامہ سے مجھے اور میری اولاد کو اُس دن فائدہ پہنچائے جس دن مال و اولاد کوئی کام آنے والا نہ ہوگا۔

اس کتاب کا نام "مراۃ الرشاد" یعنی وصیت نامہ برائے احباب و ذریت و اولاد ہے۔

مقدمۂ مترجم

"تبلیغات ایمانی" کے سلسلے کے آغاز کے طور پر "یاد شہید صدر طاب ثراہ" کے عنوان سے منعقد ہونے والی مجالس میں بمبئی حاضر ہوا تو حجۃ الاسلام والمسلمین آقائی سید محمد الموسوی دام لطفہٗ نے اس ایک نکتہ کی طرف توجہ دلائی جسے میں ایک عرصہ سے محسوس کر رہا تھا لیکن حالات کی مجبوری کی بنا پر منزل عمل میں نہ لا سکا تھا۔ اور وہ یہ ہے کہ ہمارے دینی اور دنیوی دونوں طرح کے نظام تعلیم میں اخلاقیات کا تقریباً فقدان ہے اور دو ایک علمی کتابوں کے علاوہ اخلاقی تعلیم اور تربیت نہ ہونے کے برابر ہے جس کے اثرات کا ہر صنف میں مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور جب علوم دین و دنیا کے طلاب اخلاقی تربیت سے بیگانہ ہو جائیں تو عوام کا کیا کہنا ہے انھیں تو ویسا ہی ہونا چاہئے جیسے کہ ہیں یا اس سے بھی بدتر ہونا چاہئے۔ اس سلسلہ میں، میں نے تنقیدی مضامین بھی لکھے اور اپنے رفقاء کار کی مدد سے "تنظیم المکاتب" کا اخلاقیات نمبر بھی نکالا۔ لیکن حسب توقع اثر ظاہر نہ ہو سکا اور نقش اول اتنا موثر ہوتا بھی نہیں ہے۔ اب حضرت موسوی دام لطفہٗ نے اپنے اثرات کو استعمال کرتے ہوئے دو کتابیں رائج کرنے کا ارادہ کیا ہے اور کمال محبت و عنایت سے دونوں کے ترجمہ کا کام حقیر کے حوالے کر دیا ہے حالانکہ ملک میں بڑے بڑے صاحبانِ قلم، اہل علم اور صحیح ادبی ترجمہ کرنے والے موجود ہیں لیکن موصوف کو "بے ہنگم" کام ہی پسند ہے اور میری تو عادت ہی عجلت پسندی کی ہے (یہاں تک کہ میرے استاد شہید خاص سرکار

محمد باقر الصدر طاب ثراہ فرمایا کرتے تھے کہ میں اُردو داں ہوتا اور اردو زبان میں کتاب لکھتا تو اتنی تیزی سے تالیف نہیں کر سکتا تھا جتنی تیزی سے یہ "سیّد" ترجمہ کرتا ہے۔) یہ انھیں کے فیوض و برکات اور شہادت کے روحانی اثرات ہیں کہ دو ۳ دن میں "خلاصہ حلیۃ المتقین" کا ترجمہ کر کے روانہ کر دیا اور اب تبلیغات ایمانی کے دوسرے دورہ میں حیدر آباد آیا تو چار دن کے مستقل قیام اور عمومی طور پر اہل علم و مال دونوں میں "دید و بازدید" کی فرسودہ روایت کے نہ ہونے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے "مرآۃ الرشاد" کا ترجمہ کر کے حاضر کر رہا ہوں۔ عجلت کا کام جیسا ہوتا ہے اور اس کا جو انجام ہوتا ہے وہ اس کتاب میں بھی ہوگا لیکن میری مصروفیت اور کم علمی کا لحاظ کرتے ہوئے آپ حضرات صحت اور ادبی سلاست و لطافت پر توجہ دینے کے بجائے کتاب کے مطالب پر توجہ دیں تاکہ اپنی نسل کی صحیح اخلاقی تربیت کر سکیں اور تعلیمات اسلام کے زیر سایہ زندگی کا دستور العمل مرتب کر سکیں۔

السید ذیشان حیدر جوادی

۳/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ۔ حیدر آباد

کچھ اپنی باتیں

(مترجم کے مختصر حالات زندگی)

۱۹۵۵ء سے ۱۹۶۵ء کا زمانہ میری زندگی کا حسین ترین اور کامیاب ترین دور ہے جب میں نے جامعہ ناظمیہ لکھنؤ سے تعلیم کے ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد نجف اشرف کی سرزمین پر قدم رکھا۔

نجف اشرف جو مولائے کائناتؑ کا جوار و دیار ہے۔

نجف اشرف جو عالم اسلام کا سب سے بڑا علمی مرکز ہے۔

نجف اشرف جس کی ہواؤں اور فضاؤں میں علم ہے۔ جدھر سے گذر جائیے علمی ماحول نظر آجائے گا ـــــ مسجد میں نماز پڑھنے جائیے ـــــ درس نظر آجائیں گے، بازار میں سودا لینے جائیے کسی نہ کسی مسجد یا مقبرہ سے مباحثۂ علمی کی آواز آجائے گی، کسی تقریب مسرت و غم میں شرکت کر لیجئے کوئی نہ کوئی علمی گفتگو دیکھنے میں آجائے گی۔

ہمارے ملک میں محافل و مجالس اور تقریبات میں علمی گفتگو کرنا عیب ہے۔ سیاسی باتوں میں وقت ضائع کیجئے، کھیل کے میدان میں بیان کیجئے یا تفریحی لطیفے سنائیے۔ اس سے زیادہ گفتگو کرنا آداب محفل کے خلاف ہے یا آپ پر اظہار قابلیت کا الزام آجائے گا یا دوسروں کی توہین کے مجرم قرار پائیں گے۔ اسی بامصلحت تہذیب سے لاکھوں کا بھرم قائم ہے اور بے شمار افراد کی قابلیت کا کلمہ پڑھا جا رہا ہے۔

پیراں نمی پرند مریداں می پرانند۔

نجف اشرف کا ماحول اس سے بالکل مختلف ہے۔ وہاں خاموشی خلافِ ادب، علمی مسائل میں حصہ نہ لینا جہالت اور بحث و مباحثہ کو تفوق یا توہین پر محمول کرنا، بد نفسی کی علامت خیال کیا جاتا ہے ــــ وہاں کے ماحول سے خالی ہاتھ واپس آنا انتہائے بدبختی کی علامت ہے۔ کوئی بالکل بے توفیق ہو تو بزم پیغمبرؐ سے بھی جاہل واپس آسکتا ہے جوارِ امیر المومنینؑ کا کیا ذکر ہے۔

نجف اشرف کی فضاؤں نے میری ذہنی تربیت میں جس قدر حصہ لیا ہے اس قدر میرے والدین (خدا ان کے درجات کو بلند کرے) کی زحمت و مشقت کا بھی نہیں ہے۔

خصوصیت کے ساتھ آیۃ اللہ الحکیم طاب ثراہ، آیۃ اللہ الخوئی دام ظلہ کے علمی دروس اور شہید محراب آیۃ اللہ مدنی اور شہید خاص آیۃ اللہ سید باقر الصدر کی شفقت و محبت نے مجھے اس قدر متاثر کیا تھا کہ میں اپنے کو ایک دوسری دنیا کا انسان تصور کرتا تھا۔

نجف اشرف کی یاد میرے ذہن و دل و دماغ سے اس لیے بھی محو نہیں ہو سکتی کہ وہ میری خدمات اور توفیقات کا حسین ترین دور تھا۔ مجھے یاد ہے کہ حجۃ الاسلام مولانا سلمان حیدر صاحب نوگانوی سے میرا مباحثہ اذان صبح سے ایک گھنٹہ پہلے ہوتا تھا اور اذان پر بحث ختم کر کے حرم مطہر میں نماز صبح ادا کیا کرتے تھے۔

اس کے بعد صبح سے شام تک درس و بحث کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ کسی سے پڑھنا اور کسی کو پڑھانا ــــ ہر علم کے اعلیٰ درجہ کے استاد موجود۔ نہ پوچھنے میں کوئی تکلف، نہ بتانے میں کوئی زحمت۔ جس وقت جس چیز کا علم حاصل کرنا چاہئے اسباب فراہم۔ کوئی زحمت نہیں۔ کوئی پریشانی نہیں۔

نماز مغربین کے بعد آیۃ اللہ الخوئی دام ظلہ کا درس اصول ــــ اور اس کے بعد آیۃ اللہ بروجردی طاب ثراہ کے کتب خانہ میرے تحصیل علم کا بہترین مرکز تھا۔

خدایا ــــ! کیا وہ وقت پھر واپس نہیں آسکتا ہے؟ کیا شہید صدر جیسا استاد پھر مل سکتا ہے؟ خدا جانتا ہے کہ ہندوستان کی شخصیت، عظمت، مرجعیت اور ساری خصوصیات کے مقابلہ میں نجف اشرف کی شاگردی آج بھی باعثِ افتخار ہے۔

درس و تدریس کی مصروفیات کے ساتھ میرا ذاتی ذوق لکھنے پڑھنے اور تصنیف و تالیف کا تھا۔ خدا کے فضل و کرم سے قلم سریع تھا اور توفیقات ہمراہی کر رہی تھیں۔ جدھر رخ گیا چند دنوں میں کام مکمل ہوگیا۔ پندرہ دن میں ابو طالب مومن قریش کا ترجمہ کر ڈالا۔ چند دنوں میں نص و اجتہاد کا ترجمہ مکمل کر دیا ــــ چند ہفتوں میں شہداء لفضیلہ کا خلاصہ بنا دیا اور نہ جانے کتنی کتابوں کو تصنیف و تالیف اور ترجمہ کی منزلوں سے گذار دیا۔

میری سرعتِ تحریر کو دیکھ کر میرے استاد علامہ حضرت شہید صدر طاب ثراہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ شخص جس تیزی کے ساتھ ترجمہ کرتا ہے میں تو اس تیزی سے تصنیف بھی نہیں کر سکتا۔ جس زمانے میں سرکار موصوف اقتصادنا کی تالیف کا کام مکمل کر رہے تھے۔ وہ روزانہ شام کو مسودہ صاف کرنے کے لیے عطا فرماتے تھے اور میں صبح کو مع ترجمہ کے مکمل کر لیا کرتا تھا۔

یہ میرا ذاتی کمال یا کرامت و اعجاز نہیں تھا۔ یہ نجف اشرف کے ماحول کا اثر تھا۔ میں نے دوران طالب علمی بہت سا علمی کام کیا ہے جو آج تک منظر عام پر نہیں آسکا۔ نہ عربی رسالے شائع ہو سکے اور نہ عربی مضامین منظر عام پر آسکے ــــ لیکن ۱۹۶۵ء میرے حق میں اس قدر منحوس ثابت ہوا کہ مجھ سے وہ دیار و جوار چھوٹ گیا

اور فضائے نجف کیا چھوٹی گویا توفیقات کا دامن چھوٹ گیا۔ میں ہندوستان آگیا۔ یہاں پیش نمازی مل گئی۔ ذاکری اور خطابت مل گئی۔ لوگوں نے مصافحہ کرنا اور ہاتھ چومنا شروع کردیا۔ اجتماعات میں صلوات سے استقبال ہونے لگا۔ لوگ مجلسوں میں تعریف کرنے لگے۔ بزرگوں نے محبت کا اظہار کیا۔ بچوں نے احترام کیا۔ ساتھیوں نے بڑھاوا دیا اور اس طرح میں ہندوستان میں ایک قابل تنقید و تبصرہ شخصیت بن گیا کہ بعض حضرات کو میرے گرانے اور اٹھانے کی فکر بھی ہوگئی اور ان کی نگاہ میں خدانخواستہ میں بھی کسی کے لیے خطرہ نظر آنے لگا جبکہ خدا جانتا ہے اور میرے مخلص رفقاء گواہ ہیں کہ مجھے نہ کبھی ریاست سے دلچسپی تھی اور نہ آج ہے۔ جس کو کام کرتے دیکھتا ہوں اسی کے ساتھ لگ جاتا ہوں اور کبھی اس کا خیال بھی نہیں کرتا کہ وہ مجھ سے بڑا ہے یا چھوٹا البتہ بے مصرف لوگوں کی ہمنوائی یا مصاحبت میری سمجھ سے بالاتر ہے اور میرے مزاج سے بالکل مختلف چیز ہے۔

ہندوستان آنے کے بعد سب کچھ مل گیا لیکن گویا کام کرنے کی توفیق سلب ہوگئی اور اس کا صدمہ مجھے تاحیات رہے گا۔ اگر یہاں کے ماحول میں میرے اتنے کام کو بھی بہت سے لوگ انتہائے توفیقات کی منزل قرار دیتے ہیں اور اس پر رشک کرتے ہیں۔ لیکن مجھے اپنی بدبختی یا کم نصیبی پر رونا آتا ہے جب سابق کے بزرگوں کے مصائب اور ان کی علمی اور قلمی خدمات کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ اس راحت و آرام کے ماحول میں اس قدر کم کام کرکے کس منہ سے رب العالمین کی بارگاہ میں جاؤں گا ـــــ اور اسے کیا جواب دوں گا۔ اکثر راتوں کو تنہائی میں وحشتِ قبر کا خیال کرتا ہوں تو نیند اڑ جاتی ہے اور اس پر یہ احساس مزید نشتر لگاتا ہے کہ اس کی بارگاہِ عدالت میں کیا لے کر جاؤں گا۔

یہاں جس قدر وقت ضائع ہوتا ہے اس کی جواب دہی مجھ جیسے انسان کے بس کی بات نہیں ہے اور میرا فیصلہ خود میرے حوالے کر دیا جائے تو بدترین سزا تجویز کرنے میں کوئی تکلف نہ ہوگا۔

ایک تقریب عقد میں پانچ منٹ کے عقد کے واسطے دو گھنٹہ فضول بیٹھنا اور بارات یا مہمانوں کا انتظار کرنا۔ ایک عدد ایک گھنٹہ کی تقریر کرنے یا سننے کے لیے دو دن کا سفر کرنا اور ۴۸ گھنٹے صرف کرنا یا تعزیت و تہنیت کے قبل و بعد گھنٹوں وقت ضائع کرنا اور وقت کا کوئی صحیح مصرف نہ ہونا اور پھر ان سب باتوں کو اخلاق و تہذیب قرار دے کر دل بہلا لینا ـــــ وہ حالات ہیں جو انسان کو لرزا دینے کے لیے کافی ہیں۔ بشرطیکہ چند لمحے اپنے انجام کے بارے میں سوچنے کی سعادت حاصل ہو سکے۔

رحمت پروردگار اور شفاعت معصومینؑ کی توقع نہ ہوتی تو اب تک مایوسی حد کفر تک پہنچا چکی ہوتی۔

ان حالات میں دو چار مضامین لکھ لینا ہی بڑی بات ہے کسی بڑے کام کے بارے میں تو سوچنا بھی ایک سفاہت کے سوا کچھ نہیں ہے لیکن نجف اشرف میں قیام کے دوران میری چند تمنائیں تھیں:

۱۔ ایک تفسیر قرآن لکھوں۔

۲۔ ایک نہج البلاغہ کی شرح لکھوں۔

۳۔ ایک چہاردہ معصومینؑ کی سوانح حیات مرتب کروں۔

۴۔ ایک مختصر تاریخ اسلام مرتب کروں۔

۵۔ کتب احادیث کا ترجمہ مع شرح مکمل کروں۔

اور شاید یہ سب کام ہو بھی جاتے اگر نجف اشرف میں قیام کا زمانہ کچھ

طویل ہوجاتا کہ میں نے ہر لائن پر کام شروع کردیا تھا ___ لیکن بدبختی کا کوئی علاج نہیں ہے۔ خدا جانے کس جرم کی سزا ملی کہ مولا نے اپنے جوار سے دور کردیا اور ہندوستان کے مصائب و آلام میں مبتلا ہوگیا جہاں علمی ماحول کا فقدان اور سیاسی بازی گری کا کھلا ہوا میدان ہے۔

تفسیر قرآن کا خیال "مطالعہ قرآن" تک پہنچا اور اس نام سے ایک کتاب مکمل بھی کر لی جو آج تک منظرعام پر نہ آسکی کہ ہمارے ملک میں کتاب کی اشاعت بھی ایک بڑا مرحلہ ہے۔ کون سرمایہ لگائے، کون شائع کرائے ___ کون فروخت کرے اور پھر کون خریدے۔

لیکن دل میں کسک بہرحال باقی رہی۔ خدا غریق رحمت کرے خطیب اعظم مولانا غلام عسکری مرحوم کو کہ وہ اکثر ترجمہ قرآن کی بات کیا کرتے تھے اور میں سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے ٹال جایا کرتا تھا کہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ حالانکہ ضرورت کا احساس مجھے روز اوّل سے تھا اور آج تک ہے۔

ان کے بعد تنظیم المکاتب کے دوسرے سکریٹری رئیس الواعظین مولانا کرار حسین نے وہی مطالبہ دہرانا شروع کیا اور میں نے ان کے حسن ظن کو باقی رکھنے کی احتیاط کے ساتھ انھیں بھی مختلف بہانوں سے بہلانا چاہا لیکن آخرکار انھوں نے ایسا درد انگیز خط لکھا کہ میں سوچنے پر مجبور ہوگیا۔ انھوں نے اس کام کو اپنی زندگی کی سب سے بڑی تمنا قرار دیا جبکہ یہ میری بھی سب سے بڑی تمنا تھی اور پھر اپنی حیاتِ مستعار کے تمام ہوجانے کا اندیشہ ظاہر کیا جو خود میرے لیے بھی لمحۂ فکریہ تھا ___ ادھر ایک قریب ترین مخلص جناب سید مجاہد حسین نقوی سے میں نے اس فرمائش کا تذکرہ کیا تو انھوں نے بھی تاکید کرتے ہوئے اس پر اس وعدہ کا اضافہ فرما

دیا کہ آپ کام مکمل کر لیں طباعت کا میں ذمہ دار ہوں۔ اس طرح مجھ پر ہر طرف سے حجت تمام ہو گئی اور میرے لیے کوئی راہِ فرار نہ رہ گئی۔ اس کے بعد بھی میں نے استخارہ کیا اور وہ بھی اچھا نکل آیا تو خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیا۔

میری زندگی میں تین استخارہ انتہائی دلچسپ اور عظیم ہیں جن سے میری زندگی کے تین اہم ترین مراحل وابستہ ہیں۔

میرے بہنوئی اور ابن عم حجۃ الاسلام مولانا سید علی عابد الرضوی اپنے بچوں کے ساتھ نجف اشرف جا چکے تھے اور میں جامعہ ناظمیہ میں زیر تعلیم تھا۔ ان کا اصرار تھا کہ میں بھی نجف اشرف چلا جاؤں۔ میں نے عرض کی کہ آپ وہاں کے کسی بڑے مجتہد سے استخارہ کرائیں۔ اگر بہتر آئے گا تو میں چلا جاؤں گا۔ انھوں نے نجف اشرف کے عظیم مقدس عالم آیۃ اللہ الشیخ محمد تقی آل راضی سے استخارہ قرآن مجید کرایا۔ آیۃ اللہ راضی نے نہایت خوب قرار دیتے ہوئے آیت مبارکہ کی نشاندہی کی۔

سورۂ طٰہٰ آیت ۴۰ ''موسیٰ اس وقت کو یاد کرو جب تمہاری بہن چلی اور فرعون کے گھر والوں سے کہا کہ میں اس بچہ کی کفالت کا انتظام کر سکتی ہوں اور پھر ہم نے تمھیں تمہاری ماں کی طرف پلٹا دیا تاکہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو اور ان کا حزن و الم دور ہو جائے ... اس کے بعد تم ایک قدر و منزلت پر فائز ہو گئے — تو ہم نے کہا کہ اب تم اپنے بھائی کے ساتھ میری نشانیوں کو لے کر جاؤ اور فرعون کی ہدایت کرو کہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔ اس سے نرم گفتگو کرو شاید نصیحت مان لے یا اس میں خوف خدا پیدا ہو جائے ...''

میرے لیے یہ آیت انتہائی مسرت کا باعث ہوئی کہ میری بہن پہلے جا چکی تھیں اور اب والد کے ساتھ جانے کا پروگرام تھا اور پھر واپسی بھی حسن اتفاق سے

برادر علام کے ساتھ ہوئی اور دونوں نے مل کر اپنا کار تبلیغ شروع کیا اور ان تمام حالات کا بھی سامنا کیا جن کی طرف آیات کریمہ نے متوجہ کردیا تھا۔

دوسرا استخارہ آیۃ اللہ الشہید الصدر طالب ثراہ نے کیا تھا جب میں نجف اشرف سے ہندوستان واپس آنے پر مصر تھا اور وہ روکنے پر زور دے رہے تھے اور فیصلہ استخارہ قرآنی پر ٹھہرا تھا تو سورۂ انبیاء کی آیت ۵۱ نکلی جس کا مضمون یہ تھا "ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی فہم سلیم عطا کردی تھی اور ہم ان کی حالت سے خوب واقف تھے۔" جس کے بعد سرکار مرحوم نے یہ کہہ کر اجازت دے دی کہ "میں اس فراق اور جدائی کو بھی اپنے وجود کی وسعت تصور کرتا ہوں۔"

تیسرا استخارہ میں نے خود کیا جس میں قرآن مجید کی اس آیت کریمہ نے میری رہنمائی کی۔ "ملت ابراہیم سے وہی انسان کنارہ کشی کرے گا جو اپنے نفس کو دھوکہ میں رکھے جبکہ ہم نے انھیں دنیا میں بھی منتخب بنایا تھا اور آخرت میں بھی ان کا شمار صالحین میں ہے۔"

مجھے اس استخارہ سے سب سے زیادہ مسرت اس بات سے حاصل ہوئی کہ سرکار صدر مرحوم کے استخارہ میں بھی حضرت ابراہیمؑ کا ہی ذکر تھا اور اس استخارہ میں بھی ملت ابراہیم ہی کا ذکر ہے جس کا مفہوم میرے ذہن میں یہ آیا کہ اب کام نہیں کیا جاتا ہے تو گویا خود اپنے نفس کو فریب دیا جا رہا ہے اور اپنی عاقبت کو خطرہ میں ڈالا جا رہا ہے۔

(اس تصور کے تحت کام کا آغاز اور خدا کا شکر ہے کہ آج ۲۷ رجب روز نزول وحی اول اس کام کا آغاز ہو رہا ہے۔)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تحریک

۱۲ ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ کی صبح تھی ... ! شب میں ۳ بجے حج و زیارت کی سعادت حاصل کر کے وارد سرزمین بمبئی ہوا تھا ...

تھوڑی دیر بعد ایک صاحب نازل ہوئے ... اور یہاں سے شروع ہوئے "میں نے ایک پبلیکیشن قائم کر دیا ہے۔ اس میں جدید اصولوں پر نئے انداز کی کتابیں شائع ہوں گی ... اور آپ کو اس کے ادارۂ تحریر کا ایک ممبر نامزد کر لیا گیا ہے۔"

میں نے کہا ... قلم چلانا میری زندگی ہے ... میں اپنی زندگی کے کسی لحہ کو بیکار نہیں کرنا چاہتا ... تنہائی میں بھی اپنے شعری ذوق کو تسکین دیتا ہوں ... اور جب حالات قدرے سازگار بن جاتے ہیں تو قلم اٹھا لیتا ہوں۔"

میں نے ۲۲ سال کی زندگی میں کم و بیش ۳۲ کتب و رسائل تالیف و ترجمہ کی منزل سے گزارے ہیں ... میں صاحبِ زبان و ادب نہیں ہوں کہ مجھے قلم کاری میں کوئی زحمت ہو ... اور مدعی عصمت بھی نہیں ہوں کہ خطا و اشتباہ سے بالاتر اقدام کر سکوں ... میں اپنے علم و معلومات کی روشنی میں کام کرتا ہوں اور جب کوئی مخلص کسی غلطی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تو فوراً اصلاح کر لیتا ہوں۔

میری نظر میں خوف، خطا و نسیان سے قلم نہ اٹھانا علم و ہنر کی موت ہے اور خطا و نسیان کے بعد اصلاح کی طرف قدم نہ اٹھانا شرافت و عزت کی تباہی۔

میری کتابیں مختلف ممالک سے شائع ہو رہی ہیں اور اب بھی دورانِ سفر ایک کتاب تالیف کر کے لایا ہوں جو انشاء اللہ بہت جلد منظرِ عام پر آئے گی۔

میری سب سے زیادہ مجبوری ملک کے حالات اور اربابِ ایمان کی قوتِ خرید کی کمزوری ہے ... چند مسودے بلا اشاعت پڑے ہوئے ہیں۔ کون رقم فراہم کرے ... کون اشاعت کرے اور پھر کون فروخت کرے! آخر میں کون خریدے؟

اگر کوئی صاحب دل تیار ہو جاتا اور کچھ رقم صرف کر سکتا تو یہ بے قیمت ذخیرہ بھی ضائع نہ ہوتا۔

موصوف نے نہایت ہی اطمینان وسکون کے ساتھ کہا:

"اب آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ وقت آگیا ہے کہ آپ کی یہ حسرت بھی نکل جائے گی اور یہ کام میرے ہی ذریعہ منزل تکمیل تک پہنچے گا۔ بس آپ کمرِ ہمت باندھ لیں اور لکھنا شروع کر دیں۔"

میں نے کہا کہ ابھی لکھنے کا کیا ذکر ہے، ابھی تو بعض مسودات پہلے ہی سے لکھے ہوئے رکھے ہیں اور ان کی اشاعت نہیں ہو سکی ہے۔ پہلے آپ ان کی اشاعت کا قصد کریں ... پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

انھوں نے فرمایا کہ پہلے آپ میری فرمائش کی کتاب لکھیں ... اس کے بعد تمام کتابیں شائع کی جائیں گی۔

میں نے کہا: آپ کی فرمائش کیا ہے؟

فرمایا: قمرِ بنی ہاشم حضرت عباسؑ علمدار کی سوانح حیات۔

میں نے بے ساختہ کہا کہ اس کام کی کیا ضرورت ہے۔ اس موضوع پر میرے برادرِ محترم حضرت نجم الواعظین مولانا نجم الحسن صاحب قبلہ کی کتاب "ذکر العباس" موجود ہے۔ آپ اس کی اشاعت کر دیں۔ ایک موضوع پر متعدد کتابیں لکھنے سے بہتر

مختلف موضوعات پر کتابیں شائع کرتا ہے۔

"ذکر العباس" سے زیادہ جامع اور ہمہ گیر کتاب لکھنا تقریباً ناممکن ہے... برادر محترم نے اس موضوع پر سارا مواد جمع کر دیا ہے اور اس قدر دیدہ ریزی سے کام لیا ہے کہ جس روایت یا کتاب میں حضرت عباسؑ کا نام نظر آ گیا اسے بھی درج کتاب کر دیا ہے۔

ایسے حالات میں جدید کتاب کا لکھنا... اور اس کتاب سے ہٹ کر لکھنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔

موصوف نہایت خاموشی سے یہ ساری باتیں سنتے رہے اور آخر میں یہ فیصلہ سنایا کہ مجھے اس کتاب کا علم ہے... لیکن میں آپ سے گزارش کر رہا ہوں... میں نے کتاب لکھنے کی فرمائش کی ہے... کتابوں کی فہرست سنانے کی فرمائش نہیں کی۔

ملکی ماحول اور سماجی حالات نے ہمارے ذہنوں کو اختلافات کے سانچے میں اس طرح ڈھال دیا ہے کہ بحث و مباحثہ اور جنگ و جدل ہمارا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے۔ عوام سے لے کر خواص تک جسے دیکھو سب کا انداز نظر اور سب کا طرز نگارش یکساں ہے۔ بیانات میں مناظرہ کی چاشنی نہ آئے تو اِنَّ مِنَ الْبَيَانِ لَسِحْرًا کا مصداق نہ بنیں۔ اور تحریر میں غیر کا حوالہ نہ آ جائے تو استناد و اعتبار نہ پیدا ہو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سارا استناد "الزام" ہی سے پیدا ہوتا ہے اور سارا اعتبار اغیار کے مقدر ہی میں لکھ دیا گیا ہے۔

تحقیق کا تقاضا تو یہی تھا کہ ہر فریق کے روایات کو لے کر ان کو مقررہ معیاروں پر پرکھا جاتا اور معتبر روایات پر اعتماد کیا جاتا... چاہے وہ کسی فریق سے تعلق رکھتی ہوں۔

اغیار کے روایات میں مضمون کا مل جانا "الزام" کی منزل میں کام آ سکتا

ہے لیکن تحقیق کی منزل میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ اس کے لیے بہر حال معتبر اور مستند روایات کو تلاش کرنا پڑے گا۔

اس طرز فکر و نظر کے دو اہم نقصانات بھی ہوئے ہیں ایک عوامی سطح پر اور ایک خواص کی سطح پر۔

عوامی سطح پر یہ نقصان ہوا ہے کہ عوام مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں... انھیں ہر مسئلہ پر ایک ہی تحقیق درکار ہے کہ یہ روایت غیروں کے یہاں ہے یا نہیں؟

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے یہاں نہیں ہے تو معتبر ہی نہیں ہے... حالانکہ صحیح ذمہ داری یہی ہے کہ اپنے یہاں کی روایت کو میزانوں پر تول کر غیروں کے سامنے پیش کیا جاتا اور ان کے ذہنوں میں سے یہ خیال نکال دیا جاتا کہ تمہاری کتاب میں درج نہ ہونے کا مطلب ''عدم اعتبار'' ہے۔

اندراج و عدم اندراج مؤلف و مصنف کے ذوق کا نتیجہ ہے... اس میں واقعہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔

واقعہ اپنے جملہ خصوصیات کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اب مؤلف کو یہ اختیار ہے کہ وہ کتنے اجزا کو قبول کرے اور کن اجزا کو ترک کردے۔

خواص کی سطح پر عظیم نقصان یہ ہوا ہے کہ زیادہ حصہ قوت مطالعہ اغیار کے لٹریچر پر صرف ہونے لگی ہے اور اپنا لٹریچر برباد ہو رہا ہے۔ جسے دیکھیے وہ انگریزوں کی تاریخ پڑھ رہا ہے... جسے دیکھیے وہ مسلم و بخاری کا مطالعہ کر رہا ہے... جس پر نظر ڈالیے وہ طبری اور ابن اثیر سے نقوش قدم تلاش کر رہا ہے۔

اپنی کتاب پڑھنے والے کم ہوتے جا رہے ہیں اور اپنا لٹریچر کہنہ و بوسیدہ ہوتا جا رہا ہے۔

اغیار کے جدید ترین مؤلفین نے ایک انداز یہ بھی نکالا ہے کہ " ہمیں اپنے لٹریچر کے مطالعہ میں لگا دیا ہے اور خود ان مباحث کو " اختلافی " کہہ کر دوسرے موضوع میں لگ گئے ہیں۔

اس طرح ہمارا وقت تو بہرحال صرف ہو رہا ہے اور وہ دوسرے میدانوں میں اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔

عموی ذہنوں پر حالات کی اثر اندازی کا ادنیٰ نمونہ یہ ہے کہ ہمارے مناظراتی ماحول میں جب کسی شخص کے سامنے کوئی روایت نقل کی جاتی ہے اور اس کا کوئی ربط و تعلق معصومینؑ کے فضائل سے ہوتا ہے تو وہ پہلا سوال یہ کرتا ہے:

" یہ روایت غیروں کی کس کتاب میں ہے۔"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فضائلِ معصومینؑ غیروں کے اندراج کے محتاج ہیں یا اغیار کے ترک کر دینے سے فضائل کی قدر و قیمت کم ہوجاتی ہے یا ہماری ساری ذمہ داری صرف اغیار پر حجت تمام کرنا ہے۔ اپنے جذبۂ مودت کی تسکین یا اپنے علم وعرفان کا اضافہ کوئی شے نہیں ہے۔

اس کے برخلاف اگر ایران وعراق کے ماحول میں روایت کے ساتھ اغیار کا نام لے لیا جائے تو فوراً چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے اور بنیادی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اپنے کسی عالم ومصنف نے اس واقعے کو نہیں نقل کیا... اگر انھوں نے نہیں نقل کیا تو روایت کا کیا اعتبار؟ اغیار کے نقل پر اعتماد کرنا خلاف عقل وانصاف ہے۔

وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے معاشرے نے روز اول سے " بین الاقوامی " ماحول میں زندگی گزاری ہے۔ ہمارے سامنے مختلف اقوام وملل اور ان کے نظریات وافکار رہے ہیں باہمی اختلافات " انسانی فطرت " کا تقاضا ہے جس کے بعد اس ذہن کا پیدا ہوجانا کوئی خاص بات نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

زیرِ نظر کتاب ایک "وصیت نامہ" کے طور پر وجود میں آئی ہے۔ مصنف نے بالخصوص اپنے فرزند کی ذہنی تربیت کے لیے لکھی ہے۔ اگر خدا توفیق دے تو دوسرے افراد بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اگرچہ موجودہ نسلِ تو نصیحت یا وصیت کے قبول کرنے کی صلاحیت سے عاری نظر آتی ہے اور یہ صورتحال اپنی جگہ پر بہت ہی دردناک ہے۔ تاہم امید کی جا سکتی ہے کہ بہت سے لوگ اس کتاب کو پڑھ کر ضرور کچھ نہ کچھ اثر لیں گے اور ممکن ہے کہ بہت سے لوگ اس کتاب کے مطالعہ سے راہِ راست اختیار کر کے غلط روی سے باز آجائیں۔

اس عہد سعید کو گزرے ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا ہے، جب والدین اپنی اولاد کی مذہب کی بنیاد پر ذہنی تربیت کو ہر حال میں اوّلیت دیتے تھے۔ اس دور کے افراد کا سرمایۂ حیات صرف دین تھا۔ ان کی زندگی میں اوّلیت مذہب کو حاصل تھی۔ دنیا کے دیگر اُمور کو دوسرا درجہ حاصل تھا۔ اہلِ مذہب کا یہ قافلۂ علم و عمل بدستور سابق رواں دواں تھا کہ برصغیر پاک و ہند میں عیسائی حکمرانوں کا دور شروع ہوگیا۔ یہاں کے لوگوں کو بادل نخواستہ انگریزی تعلیم حاصل کرنی پڑی۔ یہ تعلیمی ڈھانچہ عیّار فرنگی نے ایسے انداز میں بنایا تھا کہ بظاہر اس میں کوئی نقصان نظر نہیں آتا تھا مگر حصولِ تعلیم کے بعد ہر شخص کا دماغ مذہب کی گرفت سے آزاد ہوتا چلا جاتا تھا۔ کسی نے درست کہا ہے کہ:

ع دل بدل جاتے ہیں تعلیم بدل جانے سے

چنانچہ اس تعلیم کے حامل افراد کی تعداد جیسے جیسے بڑھتی گئی، اُسی رفتار سے مذہب کے بندھن ڈھیلے ہوتے گئے۔ رفتہ رفتہ مذہب پیچھے چلا گیا اور غیر مذہبی رجحانات غلبہ حاصل کرتے چلے گئے۔ اس عہد کے مسلمانوں نے اس خطرہ کو وقت پر بھانپ لیا تھا۔ چنانچہ بہت سے قائدانہ صلاحیتوں کے مسلمان زعماء نے اس طوفان کے آگے بند باندھنے کی کوشش کی اور اس دور کی بہت سی درس گاہیں اس مقصد کے حصول کے لیے وجود میں آئی تھیں مگر اس طوفان کے ہمہ گیر اثرات اتنے شدید تھے کہ اس قسم کی کوششیں زیادہ بارآور نہ ہوسکیں۔ دینی درس گاہوں سے جو لوگ دین کی تعلیم حاصل کر کے نکلے وہ زیادہ تر دین کے بجائے دنیا کے لیے کارآمد نکلے۔ دین کا معاملہ معلق ہوگیا اور بدقسمتی سے دین کا سرمایہ خود مسلمان معاشرہ میں "متاعِ کس مخر" ہو کر رہ گیا ہے۔ دین کا درد رکھنے والے لوگ مضطرب اور بے بس ہو کر رہ گئے۔ یہ نامبارک دور اس وقت اپنے اختتام کو پہنچا جب مسلمانوں کا دینی کردار پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ فرنگی کا منحوس وجود اس ملک سے رخصت ہوا، دو آزاد اور خود مختار حکومتیں وجود میں آئیں۔ نیا دور اپنی جلو میں بے شمار خرابیاں بھی لپیٹ کر لے آیا۔ ہزاروں نئے مسائل اٹھ کھڑے ہوئے۔ برسرِ اقتدار طبقہ ایک عجیب دینی اور دنیاوی کشمکش میں مبتلا ہوگیا۔ اس ملک کے بانی قائدِ اعظمؒ جن اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک تھے۔ وہ صلاحتیں اس ملک کے کام نہ آسکیں۔ ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کے بعد جو اربابِ اقتدار باقی رہ گئے تھے انہوں نے مرکزِ اقتدار کو شرمناک حرکتوں کا مرکز بنا کر پوری قوم کو غلط راہوں پر بھٹک جانے کا موقع فراہم کردیا۔ جو ملک اسلام کی حکمرانی کے لیے بنا تھا وہ بے شمار غنڈہ گردیوں اور لاکھوں خرابیوں کا مرکز

بن گیا۔ اس وقت سے اس ملک میں اب اسلام اپنے مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جب مقاصد پورے ہو جاتے ہیں تو اسلام کا داخلہ اپنے گھر میں بند کر دیا جاتا ہے۔ آج یہ عالم ہے کہ اسلام کا شور تو ہر طرف سنائی دیتا ہے مگر عملاً اسلام کہیں نظر نہیں آتا ہے۔ بے شمار لوگوں نے اسلام، اسلام کی رٹ لگا رکھی ہے۔ یہ سب لوگ اسلام کی بنیاد پر اپنے تقویٰ اور پارسائی کا پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں۔ بے شمار سیدھے سادے تعلیم یافتہ اور جاہل لوگ ان کی ظاہری حالت کو دیکھ کر دھوکہ کھا گئے ہیں۔ اس صورتحال نے عہد حاضر میں اسلام کا معاملہ اور بھی کمزور کر دیا ہے۔

موجودہ معاشرے میں یہ کتاب اور اسی طرح کی دوسری کتابیں اپنا وزن کھو چکی ہیں۔ تاہم ان اندھیروں کو مٹانے کے لیے چراغ جلانے ہوں گے۔ آخر اندھیروں سے کب تک سمجھوتہ رہے گا۔ بہرحال روشنی کی ضرورت ہوگی۔ زیر نظر کتاب ایک روشنی فراہم کرتی ہے۔ خدا اس کے مصنف کو جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے ناشر کو اپنی رحمت سے نوازے کہ اس دور میں وہ ایک چراغ جلانے کی ہمت کر رہے ہیں۔

سید اکرام حسین بیکری

فصل اول

مختصر اصولِ دین کا تذکرہ:

میرے فرزند! خدا تمہیں سیدھے راستے کی ہدایت کرے اور ہر عالم میں گناہ ومعصیت ولغزش سے محفوظ رکھے۔ یاد رکھو کہ سب سے پہلا اسلامی فریضہ اصولِ دین کے بارے میں غور وفکر کرنا ہے کہ دلائل کے ساتھ عقیدے کی بنیاد مضبوط کی جائے اور خالقِ کائنات، انبیاء اور اولیاء کے بارے میں یقین کو مستحکم بنایا جائے۔ انسان انسان سے پیدا ہوا ہے حیوان نہیں ہے۔

مقصد یہ نہیں ہے کہ انسان سراسر علم وحکمت اور کلام میں مشغول ہوجائے اور مفصل کتابوں کا مطالعہ شروع کردے۔ اس کام سے تو میں کمال علم وعقل سے پہلے منع کرتا ہوں کہ ان کتابوں میں ایسے شبہات موجود ہیں جو کسی وقت بھی انسان کو ہلاک کرسکتے ہیں اور اسی لیے آئمہ پاک نے ان الجھنوں میں پڑنے سے منع کیا ہے بلکہ شدت سے منع کیا ہے۔

میرا مقصد یہ ہے کہ "عقائد" کی عمدہ کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور عقیدہ کو دلائل کے ذریعہ مضبوط بنایا جائے مثلاً وجودِ خدا کے ثبوت کے لیے کائنات اور اس کے عجائبات کا مطالعہ کیا جائے اور سوچا جائے کہ کوئی اثر موثر کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا جیسا کہ شاعر نے کہا ہے:

ہے وجودِ خدا کا کائنات کی ہر شے، سکون ہو کہ ہو حرکتِ عظیم شاہد ہے
ہر ایک شے سے نمایاں ہے اس کی شانِ کمال یہ کائنات ہے آیت کریم واحد ہے

(جوداؔ)

امیرالمومنینؑ نے نہج البلاغہ میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "ان انسانوں کا خیال ہے کہ یہ وہ گھاس ہیں جن کا اُگانے والا کوئی نہیں ہے۔ وہ صورت ہیں جن کا مصوّر کوئی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے دعویٰ کی تحقیق بھی نہیں کی ہے اور کسی دلیل کی جستجو بھی نہیں کی۔ کاش یہ سوچتے کہ کیا بغیر بانی کے کوئی بنا ہو سکتی ہے یا بغیر عامل کے کوئی عمل ہو سکتا ہے؟"

اس ارشادِ گرامی سے امام علیہ السلام کا مقصد یہ ہے کہ محسوسات پر قیاس کر کے ایک ایسا طریقۂ استدلال رائج کیا جائے جہاں منکر کو مدعی کی صف میں کھڑا کر کے اس سے ثبوت کا مطالبہ کیا جائے اور یہ سمجھا جائے کہ جب عالم محسوسات میں کوئی شے بغیر موجد کے وجود میں نہیں آسکتی تو عالم کے بارے میں اس کے خلاف دعویٰ کرنے والے کی ذمہ داری ہے کہ اس کا ثبوت پیش کرے۔ اور یہ مناظرہ کا وہ بہترین طریقہ ہے جہاں منکر کو مدعی بنا کر بارِ ثبوت اس کے سر ڈال دیا جاتا ہے کہ اس کا دعویٰ قانونِ استنباط کے خلاف ہے جیسا کہ اعرابی نے وجودِ خدا کا اندازہ کر لیا کہ مینگنی اونٹ کے وجود کی دلیل ہے اور نشانِ قدم راہرو کے گزرنے کا ثبوت ہیں تو اتنی بڑی کائنات وجودِ خدا کی دلیل کیوں نہ ہوگی؟

یہی طریقۂ استدلال ضعیفہ نے بھی استعمال کیا تھا کہ جب میری بغیر چرخہ نہیں چلتا ہے تو خالق کے بغیر کائنات کیسے چل سکتی ہے اور یہ فطری طریقہ اس قدر مستحسن اور سنجیدہ ہے کہ روایات میں ضعیفہ جیسے ایمان کی تاکید کی گئی ہے اور اسے بہترین طریقۂ استدلال قرار دیا گیا ہے۔

فرزند! خدا تمہیں شرک و نفاق سے محفوظ رکھے۔ توحید پروردگار کی دلیل کے لیے یہ کافی ہے کہ خداؤں کا تعدد عالم کی تباہی کا باعث ہے جیسا کہ پروردگار عالم

نے خود فرمایا ہے کہ اگر دو خدا ہوتے تو زمین و آسمان تباہ و برباد ہوجاتے اور امیرالموحدین حضرت علیؑ نے فرمایا ہے کہ" اگر خدا کے علاوہ کوئی دوسرا خدا بھی ہوتا تو اس کے بھی پیغمبر اور رسول ہوتے۔ یہاں بھی امامؑ نے منکر کو مدعی بنا دیا ہے کہ خدائی بغیر مرسلین کے نہیں ثابت ہوسکتی تو اگر کوئی دوسرے خدا کا مدعی ہو تو اس کے پیغمبر اور رسول بھی تلاش کر کے لائے۔

دوسرے لفظوں میں یوں کہا جائے کہ دو خدا ہوں گے تو دونوں میں ایک جہت مشترک ہوگی اور ایک جہت امتیاز اور اس طرح دونوں مرکب ہوجائیں گے اور یہ خود ایک نقص ہے جو خدائی کے لیے مضر ہے۔ پھر اگر دونوں میں کوئی بھی خدا کے لیے کافی نہ ہوگا تو دونوں خدائی سے خارج ہوجائیں گے اور اگر کوئی ایک بھی کافی ہوگا تو دوسرا خدا نہ رہ جائے گا اور اگر دونوں الگ الگ کافی ہوں گے تو اظہار خدائی میں اختلاف پیدا ہوگا اور کوئی چیز عالم وجود میں نہ آسکے گی۔

فرزند! صفات سلبیہ کی نفی کے لیے بہترین ثبوت یہ ہے کہ یہ سب نقائص ہیں اور خدا نقائص سے پاک و پاکیزہ ہے جیسا کہ امیرالمومنینؑ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ" کمال اخلاص یہ ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے کہ صفت موصوف سے الگ ایک شے ہوتی ہے۔"

فرزند! نبوت مطلقہ کے ثبوت کے لیے یہ کافی ہے کہ لطف پروردگار کا فریضہ ہے اور لطف کا تقاضا یہ ہے کہ خالق و مخلوقات کے درمیان ایک واسطہ رہے جو ادھر کے فیض کو ادھر پہنچاتا رہے اور اس کے ارشادات کے مطابق خیر و شر، نفع و نقصان کی خبر دیتا رہے اور اس کے اوامر و نواہی کی تبلیغ کرتا رہے۔ اس لیے کہ حقیقی مصالح و مفاسد تک پہنچنا وحی و الہام کے بغیر ممکن نہیں ہے اور وحی و الہام کا مرتبہ خواہشات

نفس میں ڈوبے ہوئے انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ مرکز اعلیٰ تک رسائی نہیں حاصل کر سکتا۔ اس کے لیے ایسا نفس درکار ہے جو غفلت کی نیند اور خواہشات کے نشہ میں نہ ہو۔ نفس امارہ کا قیدی اور دارِ ظلمت میں طالبِ آرام نہ ہو۔ روحانیت و مجاہدات سے نفس کی تکمیل کرے اور توجہات پروردگار کا مرکز بن کر مرکزِ وحی و الہام قرار پا جائے۔

یہ بھی یاد رہے کہ وحی و الہام کا اندازہ ہر شخص کے لیے ممکن نہیں ہے۔ اس لیے معجزہ ضروری ہے تا کہ نبوت ثابت ہو سکے اور عبد و معبود کے درمیان خصوصی رابطہ کا اندازہ ہو سکے۔

نبوتِ خاصہ (نبوت مرسل اعظم ﷺ) کے لیے یہ دلیل کافی ہے کہ حضرت محمد ﷺ بن عبداللہ ہاشمی و قریشی نے مکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ توحید اور نبوت کی دعوت دی ہے اور بیشمار معجزات کا اظہار کیا ہے۔ اور جو ایسا کرے گا وہ صاحبِ منصب ہوگا بشرطیکہ ویسے ہی کمالات کا حامل ہو۔ جیسے کمالات سرکار دو عالمؐ کو حاصل تھے۔ اس لیے کہ خدا جھوٹے کی تائید نہیں کرتا اور اسے معجزہ نہیں دیتا۔

آپؐ کے معجزات میں قرآن مجید کا وجود کافی ہے کہ اسے قدرت نے آپؐ کو عطا فرمایا ہے جبکہ غلط مدعی کے ہاتھ میں معجزہ دینا قبیح اور تائید باطل ہے اور یہ شانِ عدالتِ پروردگار کے خلاف ہے۔

آپؐ کی نبوت سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی نبوت بھی ثابت ہو جاتی ہے۔ آپؐ نبی تھے اور آپؐ نے اس قدر انبیاء کی خبر دی ہے اور نبی غلط بیانی سے کام نہیں لے سکتا۔

قرآن مجید کے معجزہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے قرآن مجید کو پیش

کر کے اہلِ زبان (عرب) کے سامنے دو راستے رکھے تھے کہ اس قرآن کا جواب لے آئیں یا آپ کی نبوت پر ایمان لے آئیں۔ ورنہ پھر جنگ و جدل کے لیے آمادہ ہوجائیں جس کے نتیجہ میں ہر طرح کی قید و بند اور ذلت کا سامنا کرنا ہوگا لیکن عرب نے صاحبِ زبان ہونے کے باوجود سارے مصائب برداشت کئے اور جواب پیش نہیں کیا جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ جواب پیش کرنے سے عاجز تھے ورنہ اس طرح قتل و غارت اور غلامی و اسارت پر راضی نہ ہوتے۔

اور یہ خیال کہ کلام معجزہ نہیں ہوتا ـــــ ایک خیالِ فاسد ہے۔ معجزہ ہر اس شے کا نام ہے جس کا جواب لانے سے لوگ عاجز رہ جائیں اور اس سے یہ واضح ہوجائے کہ اس شخص کا رب العالمین سے خاص ارتباط ہے۔ معجزہ کے مافوق عادت ہونے کا ثبوت اہلِ فن کا اقرار ہوتا ہے جس طرح کہ ساحروں نے جنابِ موسیٰؑ کے عصا کے بارے میں اقرار کیا تھا اور فصاحت و بلاغت کے رموز سے آشنا عرب نے قرآن مجید کے بارے میں اعتراف کیا اور آیاتِ قرآن کے مقابلہ میں اپنے قصائد دیوارِ کعبہ سے اتار لیے تھے۔

ولایت مطلقہ کے بارے میں وہی تمام دلائل ہیں جو نبوت مطلقہ کے بارے میں بیان ہوئے ہیں اور ولایت خاصہ کے بارے میں وہ اخبار صریحہ دلیل ہیں جن میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی خلافت کا اعلان کیا ہے اور اس کے بعد ان کی گیارہ اولاد کو امام قرار دیا ہے اس کے علاوہ ان حضرات کے کرامات خود بھی ایک دلیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بعض معاندین کا روایات کے بارے میں اعتراض کرنا ایک ہٹ دھرمی کے علاوہ کچھ نہیں ہے جس کے مکمل جوابات کتابوں میں مندرج ہیں اور یہ مسئلہ اس

قدر واضح ہو چکا ہے کہ دشمن بھی دل کے اندر شبہ نہیں پیدا کر سکتا چاہے باہر سے کسی قدر انکار کیوں نہ کرے۔ قیامت کے بارے میں تمام اہلِ مذاہب کا اتفاق ہے کہ اقرار کرنا چاہیے اور انکار نہیں کرنا چاہیے اگرچہ بعض حکماء اور متکلمین نے تفصیلات میں شبہات پیدا کیے ہیں لیکن تفصیلات کا عوام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کے لیے اجمالی ایمان کافی ہے، جیسا کہ آیاتِ کریمہ اور روایاتِ متواترہ نے بیان کر دیا ہے اور طریقۂ استدلال بھی بتا دیا ہے کہ عادلِ حکیم کو اعمال کے مطابق جزا و سزا دینی چاہیے اور اسی جسم کو دینا چاہیے جس سے اعمال سرزد ہوئے ہیں۔

جسم کا فنا ہو جانا اس کا دوبارہ واپس نہ ہو سکنے کی دلیل نہیں کہ پیدا کرنے والے نے عدم سے وجود دیا ہے تو اب دوبارہ پیدا کرنے میں کیا زحمت ہے جبکہ مادہ باقی ہے۔ چاہے کسی شکل میں ہو جیسا کہ قرآن مجید نے ارشاد کیا ہے کہ "جیسے پیدا کیا ہے ویسے ہی دوبارہ ایجاد کریں گے۔"

فصل دوم

دعوتِ اطاعت اور تنبیہ معصیت:

فرزند! خدا تمہیں اطاعت کی توفیق دے اور معصیت سے محفوظ رکھے۔ پروردگار اپنی مخلوق سے بیحد محبت کرتا ہے جس طرح کہ ہر صانع کو اپنی صنعت سے پیار ہوتا ہے۔ اس نے واجبات و مستحبات و محرمات و مکروہات کے احکام صرف بندوں کی مصلحت اور انہیں نقصان سے بچانے کے لیے معین کیے ہیں۔ ورنہ اسے نہ کسی کی اطاعت سے کوئی فائدہ ہے اور نہ کسی کی معصیت سے کوئی نقصان ہے۔ وہ غنی مطلق اور بے نیاز ہے۔ اس کا مقصد بندوں کے حالات کی اصلاح کرنا اور انہیں فائدہ پہنچانا ہے۔ اس کے احکام کی نافرمانی کرنا شکرِ منعم اور اطاعتِ مولا کی خلاف ورزی کے علاوہ سفاہت اور حماقت بھی ہے اس لیے کہ یہ اپنے فائدہ کی مخالفت ہے اور اپنے کو نقصان کے حوالے کرنا ہے۔

فرزند! معصیت سے بچو کہ یہ دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب کا باعث ہے۔ آدم کو ایک ترکِ اولیٰ پر جنت چھوڑنا پڑی، تو تمہاری کیا حقیقت ہے؟

فرزند! خبردار سستی اور بیکاری سے کام نہ لینا کہ شیطان اور نفس امارہ جب برائیوں کو آراستہ کرنے اور اچھائیوں کو بدنام کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں تو انسان میں سستی پیدا کرنا شروع کر دیتے ہیں تاکہ انسان نیک اعمال نہ کر سکے۔ یاد رکھو کہ کھانے پینے، سونے، آرام کرنے، مال جمع کرنے، تفریح کرنے، باہمی اجتماعات اور میٹنگ کرنے میں اتنا وقت صرف نہ کرو کہ اصل عبادت میں سستی پیدا ہو جائے

بلکہ ہر امرِ دنیا میں صرف مقدارِ ضرورت پر اکتفا کرو۔

خبردار، بے معنی اور غیر مفید کاموں میں عمر صرف نہ کرنا، تمہاری زندگی کا ہر لمحہ ایک قیمتی جوہر ہے۔ بلکہ جوہر سے زیادہ بارزش ہے کہ جوہر دولت صرف کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے اور عمر دوبارہ واپس نہیں آتی۔ خبردار اس کا ایک لمحہ بھی بیکار ضائع نہ ہونے پائے۔

فرزند! "شباب کو ضعیفی آنے سے پہلے صحت کو مرض سے پہلے، فرصت کو مشغولیت سے پہلے، قوت کو ضعف سے پہلے اور حیات کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔"

(ارشادات مرسل اعظم مجموعہ ورام ص ۲۷۹)

روایات کا مضمون ہے کہ اہلِ جنت کو صرف ان لمحات پر افسوس ہوگا جو زندگی میں ذکرِ خدا کے بغیر گزر گئے ہیں کہ وہ لمحہ بھی یادِ خدا میں گذر گیا ہوتا تو درجات میں اور بھی اضافہ ہو جاتا۔

ہر نفس نیک و بد روزِ قیامت اپنے آپ کو اس بات پر ملامت کرے گا کہ کاش کچھ اور اعمالِ خیر کر لیے ہوتے تو درجات میں اور بھی اضافہ ہو جاتا اور جو برائی کی ہے وہ نہ کی ہوتی تو عذاب سے محفوظ رہ جاتے۔ (مجمع البیان)

مرسل اعظم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ کو وصیت فرمائی کہ:

"اپنی عمر کے خرچ کرنے میں درہم و دینار سے زیادہ بخل کرنا"

(مجموعہ ورام ج ۲، ص ۵۲)

بعض روایات میں ہے کہ

"اوقات کا محفوظ رکھنا بہترین اطاعت ہے اور جو شخص بھی وقت کو ضائع کرے گا وہ نتیجہ کے وقت شرمندہ ہوگا۔" (نہج البلاغہ)

فرزند! خدا کے لیے اپنی زندگی کو بچاؤ اور ایسے کام میں ضائع نہ کرو جو مرنے کے بعد کام نہ آئے۔

"عاقل وہی ہے جو آج، کل کے لیے کام کرے اور وقت کو ہاتھ سے جانے نہ دے۔ ہوشیار وہی ہے جو موت کے بعد کے لیے کام کرے، اور احمق وہی ہے جو خواہشات کی پیروی کر کے پھر مغفرت کی تمنا کرے۔" (مجموعہ ورام ص ۱۶)

فرزند، نورِ نظر، لختِ جگر! اپنی زندگی کی قدر پہچانو اور اسے نجات دہندہ اعمال کے علاوہ دوسرے اعمال میں ضائع نہ کرو۔ ریشم کا کیڑا نہ بنو جو اپنی ہی ہلاکت کے لیے سعی کرتا ہے۔ اس کے بعد بہترین اوصاف و بلند ترین اخلاق کو اختیار کرو۔ جن کی تفصیل صفحاتِ آئندہ میں مندرج ہے۔

زبان کی حفاظت:

زبان کو بے معنی باتوں سے محفوظ رکھو کہ فرزند آدم کی خطاؤں کا زیادہ حصہ زبان ہی سے متعلق ہے اور زبان سے زیادہ کسی عضو کے گناہ نہیں ہیں۔ (اصولِ کافی)

— خاموشی حکمت کے ابواب میں سے ایک دروازہ ہے۔ اصولِ کافی)

— اپنی زبان کو ہمیشہ محفوظ رکھو اور صرف وہ بات کرو جو جنت تک پہنچا سکے۔

— بندۂ مومن جب تک خاموش رہتا ہے اس کا شمار نیک کرداروں میں ہوتا ہے۔

— جو شخص دنیا و آخرت کی سلامتی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ خاموش رہے۔

— انسان منہ کے بل جہنم میں صرف اپنی زبان کی وجہ سے پھینکا جاتا ہے۔

— پروردگار جب کسی بندے کو نیکی دینا چاہتا ہے تو اس کی زبان محفوظ بنانے میں اس کی مدد کرتا ہے اور اسے دوسروں کے عیوب کے بجائے اپنے جائزہ میں

مصروف کر دیتا ہے جس کا کلام کم ہوتا ہے اس کی عقل کامل اور قلب صاف ہوتا ہے اور جس کا کلام زیادہ ہوتا ہے اس کی عقل کم اور دل سخت ہوتا ہے۔ (نہج البلاغہ)

— انسان کا ایمان اس وقت درست ہے جب دل درست ہوتا ہے اور دل اُسی وقت درست ہوتا ہے جب زبان درست ہوتی ہے۔ (مستدرک وسائل)

— مومن کی زبان کو دل کے پیچھے رہنا چاہیے کہ پہلے فکر کرے پھر مناسب ہو تو کلام کرے ورنہ خاموش رہے۔ منافق کا معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے وہ صرف بکتا رہتا ہے۔ اس کی پروا نہیں کرتا کہ کیا کہہ رہا ہے۔ (نہج البلاغہ)

— خاموشی سے شرمندگی نہیں ہوتی لیکن کلام بعض اوقات دنیا اور آخرت دونوں میں شرمندہ بنا دیتا ہے۔ (مستدرک وسائل)

محاسبۂ نفس:

فرزند! روزانہ رات کو اپنے دن کا حساب کرو۔ جس طرح کہ ایک تاجر دن بھر کے کاروبار کا حساب کرتا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دن بھر میں کیا کام کیا ہے اگر کوئی تقصیر یا معصیت نظر آجائے تو اس سے استغفار کرو اور پروردگار سے معافی طلب کرو اور قابل قضا ہو تو اس کی قضا ادا کرو اور سستی، بیکاری، غفلت، سرمایہ کی بربادی نظر آجائے تو نفس کو تنبیہ کرو اور پھر اس کی نگرانی کرتے رہو کہ آئندہ کسی وقت برباد نہ ہونے پائے اور بہترین اعمال نظر آئیں تو بھی شکر خدا ادا کرتے رہو اور مزید توفیق کا مطالبہ کرتے رہو۔

معصومینؑ نے فرمایا ہے کہ

"جو روزانہ اپنے اعمال کا حساب نہ کر سکے وہ مومن نہیں ہے۔ مومن کا

فرض ہے کہ حساب کرکے دیکھے کہ نیکی کی ہے تو مزید اضافہ کرے اور برائی ہوگئی ہے تو استغفار کرے۔" (اصولِ کافی ج ۲، ص ۴۵۳)

بعض اہلِ معرفت کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ وہ ہر وقت قلم کاغذ ساتھ رکھتے تھے اور دن بھر کے جملہ اقوال افعال لکھتے جاتے تھے یہاں تک کہ شب کو حساب کرتے اور نیکیاں نظر آگئیں تو شکر خدا کرتے تھے اور برائیاں ہوجاتیں تو توبہ استغفار کرتے تھے۔

صحفِ ابراہیمؑ میں یہ بات مذکور ہے کہ انسان اگر بے عقل نہیں ہے تو اپنے اوقات کو چار حصوں میں تقسیم کرے۔ ایک ساعت اللہ کی مناجات کے لیے، ایک ساعت نفس کے حساب کے لیے، ایک ساعت صنعتِ خدا میں غور و فکر کے لیے اور ایک ساعت کسب حلال کے لیے۔ یہی ساعت تمام ساعتوں کی جان اور سکونِ قلب کا ذریعہ ہے۔

نفس کی نگرانی:

فرزند! اپنے نفس کی نگرانی کرتے رہو اور ہر وقت یہ خیال رکھو کہ تم خدا کے حضور میں ہو اور وہ تمہارے حرکات و سکنات و افعال و اقوال و تصورات و تخیلات و اقدامات و لحظات کو دیکھ رہا ہے۔ وہ کام کرو جو خدا پسند کرتا ہے اور اس چیز کو اختیار کرو جسے خدا دوست رکھتا ہو۔ لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ بیٹا اگر اللہ کو نگاہ میں رکھو گے تو کبھی گناہ نہ کرو گے۔ شرمندگی کے لیے یہی کافی ہے کہ انسان کو یہ احساس رہے کہ خدا ہمارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

تفکر:

فرزند! ہمیشہ غور وفکر سے کام لو کہ یہ نفس کی بیداری اور قلب کی پاکیزگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس سے کدورتیں دور ہوتی ہیں، خواہشات ٹوٹ جاتی ہیں اور انسان دنیا سے دوری اختیار کرکے آخرت کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔

تفکر راس و رئیس عبادت ہے۔ یہ روح و جانِ بندگی ہے۔ بہترین عبادات اللہ اور اس کی قدرت کے بارے میں غور وفکر ہے۔ (اصولِ کافی)

علماء نے اس حدیث کی توجیہ یہ کی ہے کہ عبادت انسان کو ثواب تک پہنچاتی ہے۔ اور فکر خود خدا تک پہنچاتی ہے اور ظاہر ہے خدا کا مرتبہ ثواب سے بالاتر ہے۔ اس کے علاوہ عبادت اعضاء کا عمل ہے اور فکر دل کا عمل ہے اور دل کا مرتبہ اعضاء و جوارح سے بالاتر ہے۔ اس لیے ایک ساعت کی فکر کو ایک سال کی عبادت سے بہتر قرار دیا گیا ہے اور بعض روایات میں ساٹھ، ستر سال کی عبادت سے بہتر بھی وارد ہوا ہے۔ (مستدرک الوسائل)

فکر انسان کو جہنم سے بھی بچاسکتی ہے جس طرح حضرت حُر بن یزید ریاحی نے ایک ساعت فکر کی اور نجات کا انتظام کرلیا ورنہ زندگی بھر عبادت کرتے رہتے تو کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ ایسی ہی ایک ساعت کی فکر سال کی عبادت سے بھی بہتر ہے اور ایسی ہی فکر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ عبادت نماز روزہ کا نام نہیں ہے۔ عبادت اللہ کے بارے میں غور وفکر کرنے کا نام ہے۔

فرزند! کبھی گذشتگان کے بارے میں فکر کرو کہ وہ کہاں سے آئے تھے اور کہاں چلے گئے۔ کیا لے گئے اور کیا چھوڑ گئے؟ کیا کرتے رہے اور کس طرح سارا کاروبار چھوڑ کر روانہ ہوگئے؟

"جو لوگ زمین پر قدم نہیں رکھتے تھے، مخمل کے فرش پر آرام کرتے تھے، زمین پر اکڑ کر چلتے تھے اور اب اپنی دولت سے الگ، عیال و اطفال سے دور، قصر و محلات، حشم و خدم سے جدا کفن پہنے خاک پر پڑے ہوئے ہیں۔ نرم و نازک رخسار مٹی میں ہیں اور کیڑے سانپ بچھو ان کے گرد ہیں۔ قبر کا کونہ ہے اور تنہائی ہے۔" (نہج البلاغہ)

کبھی موت کے بارے میں سوچو کہ یہ اچانک آجاتی ہے اور ایک منٹ کی مہلت نہیں دیتی۔ ہر آن اس سے ہوشیار رہو اور ہر وقت اپنے کو آمادہ رکھو۔ توبہ و عمل میں تساہل سے کام نہ لو اور کسی وقت بھی غافل نہ رہو۔ کتنے انسان ہیں جو اچانک چلے گئے اور انہیں توبہ استغفار کی مہلت بھی نہ ملی۔ خبردار تمہارا شمار ایسے حسرت و ندامت والے افراد میں نہیں ہو اور تمہیں یہ نہ کہنا پڑے کہ

"پروردگار! ایک مرتبہ اور واپس کردے۔" (سورۂ مومنون)

کبھی اس بات پر غور کرنا کہ دنیا صرف محل تعب و رنج و مشقت و محنت ہے۔ اس کی صفائی میں گندگی ملی ہوئی ہے اور اس کی راحت میں بھی رنج کی آمیزش ہے۔ یہاں خالص آرام پیدا ہی نہیں ہوا جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ارشاد ہوتا ہے کہ

"وہ لوگ ہم سے دنیا میں راحت طلب کرتے ہیں حالانکہ ہم نے یہاں راحت پیدا ہی نہیں کی اور جہاں پیدا کی ہے وہاں تلاش نہیں کرتے۔"

فرزند! ان مسائل پر غور کرو گے تو دنیا کی تکلیفیں آسان ہو جائیں گی اور آخرت کی طرف رغبت پیدا ہوگی۔ دنیا کی زحمتوں کو آخرت کے لیے اختیار کرنا بہترین

اور آسان ترین عمل ہے۔

کبھی عالم مستقبل کے بارے میں فکر کرو کہ تمہارے سامنے قبر، برزخ، حشر، نشر، نامۂ اعمال، حساب و کتاب، صراط و میزان، جنت و جہنم کا مرحلہ ہے۔

کبھی اس بات پر غور کرو کہ مرنے کے بعد وہی مال کام آئے گا جو راہِ خدا میں دے دیا ہے۔ ساتھ جانے والا صرف کفن ہے۔ اولاد و اطفال و احباب و اعزا صرف خاک میں لٹانا جانتے ہیں اور پھر اعمال کے حوالے کر دیتے ہیں۔ کام آنے والے یہی اعمال ہیں جو تمہارے ساتھ رہیں گے اور تم سے جدا نہ ہوں گے۔ ان مسائل پر غور کرو تو نیک اعمال کرو گے نیت میں خلوص پیدا ہوگا اور وقت گزرنے سے پہلے آنے والے کل کی فکر کرو گے۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ

"دنیا میں بہترین زہد یادِ موت ہے اور بہترین عبادت ذکرِ موت ہے۔ بہترین فکر بھی فکرِ موت ہے۔"

(مستدرک الوسائل)

ذکرِ موت سے غفلت برتنے والا بے معنی اعمال میں عمر ضائع کرتا ہے اور موت کو یاد رکھنے والا بہترین اعمال میں وقت صرف کرتا ہے۔ موت بہترین واعظ اور بہترین ناصح ہے۔ ذکرِ موت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تنگیٔ حالات کو آسان بنا دیتی ہے۔ مالدار کو سخاوت پر آمادہ کرتی ہے۔ انسان کو بے فائدہ کاموں سے روک دیتی ہے۔ اور بقول بعض ـــــ

"مصیبتوں کو آسان بنانے والی، قیامت کے فائدہ کی طرف رغبت دلانے والی، توبہ پر آمادہ کرنے والی، تلافی پر تیار کرنے

والی، امیدوں کو قطع کرنے والی اور لیت ولعل سے دل بہلانے
کو روکنے والی موت ہی ہے۔"

صبر:

فرزند! تین باتوں کا خیال رکھنا، مصیبت پر صبر، نعمت پر شکر قضائے الٰہی پر رضا۔ یہ تینوں باتیں کشائش احوال کا بہترین سبب ہیں اور اہلِ ایمان نے انہی کے ذریعے دنیا و آخرت کے بلند ترین درجات حاصل کیے ہیں۔

فرزند! اپنے نفس کو مصائب پر اس طرح خوش رکھنا جیسے نعمتوں پر خوش رہتا ہے۔ اللہ صحت، مرض، عافیت، بلا، شباب، ضعیفی، قوت، ضعف، غنا، فقر جس حال میں رکھے اس کو پسند کرنا۔ اس لیے کہ اس حالت کو اس نے انتخاب کیا ہے جو تمہارے انجام سے باخبر اور تم سے زیادہ تمہاری ذات سے محبت کرنے والا ہے۔ وہ تمہیں تمہارے ماں باپ سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور تم سے زیادہ تمہارے حال پر مہربان ہے۔

فرزند! مصیبت کے موقع پر جزع فزع شکوہ و فریاد نہ کرنا۔ خدائے حکیم کی مرضی پر راضی رہنا، مصیبتوں کا اعلان کرکے اس کی شکایت نہ کرنا۔

امام سجادؑ نے فرمایا ہے کہ بلاؤں میں شریفوں کی طرح صبر کرو اور مخلوقات سے خدا کی شکایت نہ کرو کہ یہ رحمٰن و رحیم کی شکایت بے رحموں سے ہے۔

فرزند! تکلیف میں راحت کی طرح، فاقہ میں مالداری کی طرح، بلاؤں میں عافیت کی طرح خوش رہنا، معصومینؑ کا ارشاد ہے:

"بلا و مصیبت میں صبر سے بہتر اطاعتِ خدا پر صبر ہے اور اس

سے زیادہ افضل محرمات سے پرہیز کی منزل میں صبر ہے۔"

(اصولِ کافی ج ۲، ص ۹۰)

مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"جس شخص نے بھی مصیبت پر باقاعدہ صبر کر لیا اللہ اس کو تین سو درجات عنایت فرمائے گا کہ ہر درجہ کی بلندی زمین و آسمان کے فاصلے سے زیادہ ہوگی اور جس نے اطاعت پر صبر کر لیا اسے چھ سو درجات عنایت کرے گا جن میں سے ہر ایک کی بلندی تحت الثریٰ سے عرش اعظم کے برابر ہوگی اور جس نے معصیت کے مقابلہ میں صبر کر لیا اسے نو سو ۹۰۰ درجات عنایت کرے گا جن میں سے ہر ایک کی بلندی آخرِ زمین سے آخرِ عرش تک ہوگی۔"

علمائے اخلاق نے صبر کے چند مراتب قرار دیے ہیں:

۱۔ خواہش کے مطابق صحت، سلامتی، مال، جاہ، کثرتِ عشیرہ، اسبابِ زندگی اور لذاتِ دنیا کی طرف میلان سے صبر کہ یہ انتہائی ضروری کام ہے اور اس میں غرق ہو جانا ہلاکت کا سبب بھی ہو سکتا ہے۔

۲۔ اطاعتِ خدا پر صبر کہ یہ ایک سخت مرحلہ ہے۔ نفس ذاتی طور پر بندگی سے آزاد اور مالکیت کا طلبگار ہے جیسا کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ ہر نفس میں فرعونیت کے جذبات پائے جاتے ہیں۔ فرعون کو سہارا مل گیا تو فرعونیت سامنے آگئی ورنہ اندر اندر ہر شخص اپنے نوکر، اولاد اور خدام کے ساتھ فرعون ہی جیسا برتاؤ کرتا ہے اور ذرا سی تقصیر ہو جائے تو بے حد غیظ و غضب

کا مظاہرہ کرتا ہے جو تکبر کی بہت بڑی نشانی ہے۔ فرزند! اطاعت کے معاملہ میں عمل سے پہلے عمل کے ساتھ اور عمل کے بعد ہر مرحلہ پر صبر لازم ہے۔ عمل سے پہلے صبر کرے تاکہ نیت صحیح ہو۔ عمل کے ساتھ صبر کرے تاکہ یادِ خدا سے غافل نہ ہو اور ریاکاری کا جذبہ قریب نہ آنے پائے۔ عمل کے بعد صبر کرے کہ خود پسندی نہ پیدا ہو ورنہ عمل ضائع اور برباد ہوجائے گا۔

۳۔ گناہوں کا ارتکاب کرنے سے صبر ۔ انسان اپنے خیال میں ہر وقت گناہوں کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان اس کی عادت ہے اور عادت فطرت کا درجہ پیدا کرلیتی ہے۔ اس کے ساتھ جب خواہش کا اضافہ ہوجاتا ہے تو شیطان کے دو لشکر بیک وقت حملہ آور ہوجاتے ہیں اور گناہوں میں لذّت پیدا ہوجائے تو اور بھی قیامت ہے۔

۴۔ اس موقع پر صبر جو اپنے اختیار میں نہ ہو جیسے کوئی شخص ستائے اور انسان اس کا بدلہ نہ لے۔ اس موقع پر صبر بہت ضروری ہے اور انسان کو چاہیے کہ اپنے معاملہ کو خدا کے حوالے کردے چاہے انتقام اس کے اختیار میں ہو۔ اس لیے اس طرح روایات اور تجربات دونوں کا اتفاق ہے کہ پروردگار بہترین انتقام لینے والا ہے اور آخرت سے پہلے دنیا میں بھی سزا دے دیتا ہے۔

۵۔ اس کام پر صبر جو ابتدا و انتہا کسی وقت بھی اختیار میں نہ ہو جیسے اعزا و احباب کے فقدان پر صبر یا اموال کی بربادی پر، صحت کی خرابی، اعضاء کے فساد، آنکھوں کی بینائی کے زوال، فقر و فاقہ وغیرہ پر صبر ۔ کہ ان معاملات

میں صبر ذرا مشکل ہوتا ہے لیکن اس کا اجر بہت عظیم ہے جیسا کہ پروردگار نے صابرین کے واسطے صلوٰت و رحمت اور ہدایت کا وعدہ کیا ہے۔

(سورۂ بقرہ: ۱۵۶)

فرزند! خدا تمہیں ہر طرح کا صبر عنایت کرے۔ یاد رکھو کہ صبر کی قوت چند باتوں سے پیدا ہوتی ہے:

۱۔ انسان صابرین کے اجر و ثواب پر نگاہ رکھے کہ روایات میں صابرین کے واسطے جنت میں جانے کا ذکر ہے۔ (وسائل ج ۲، ص ۴۵۱)

(۔ صبر کرنے کرنے والے کے لیے ہمیشہ روزہ رکھنے والے اور تمام زندگی نماز قائم کرنے والے کا ثواب ہے۔ صابر کو پیغمبر اسلام ﷺ کے ساتھ جہاد میں شہید ہونے کا ثواب ملتا ہے۔ (وسائل)

ب۔ فاقہ پر صبر جہاد کا رتبہ رکھتا ہے اور یہ ۶۰ سال کی عبادت سے بہتر ہے۔

ج۔ جو مومن کسی بلا پر صبر کرے اسے ہزار شہیدوں کا اجر ملتا ہے۔ (اصول کافی)

۲۔ ان مراتب پر نگاہ رکھے جو تجربہ کی بنیاد پر صابرین کے لیے مشاہدہ میں آئے ہیں۔

۳۔ یہ خیال کرے کہ مصیبت چند لمحوں کے بعد ختم ہو جائے گی۔ اور زندگی بہرحال فانی ہے۔ جو ساعت گزر جاتی ہے اس کی راحت و تکلیف دونوں ختم ہو جاتی ہیں آنے والی ساعت کا حال یوں بھی کسی کو نہیں معلوم ہے۔

۴۔ اس بات پر غور کرے کہ اس آہ و فریاد کا کوئی اثر بھی نہیں ہے۔ مقدر میں جو ہے وہ ہو کر رہے گا۔ صرف نالہ و فریاد سے اجر و ثواب میں کمی ہو سکتی ہے ورنہ قضا و قدر کو کون بدل سکتا ہے۔ بندہ، بندہ ہے، اس کے اختیار

میں کچھ نہیں ہے۔

۵۔ ان افراد کو یاد کرے جنہوں نے اس سے بڑے بڑے امتحانات دیئے ہیں اور بہترین اجر حاصل کیا ہے۔

۶۔ یہ ملاحظہ کرے کہ امتحان ایک سعادت ہے اور بلا اہلِ ولا ہی کے لیے ہے بلکہ شدتِ بلا مومنین کے لیے قربِ الٰہی کی علامت ہے۔

۷۔ یہ یاد کرے کہ یہ مصیبت خدائے حکیم کی طرف سے ہے اور وہ اپنے بندوں کے لیے خیر ہی چاہے گا۔ وہ بے نیاز ہے غرض مند نہیں ہے کہ فائدہ اٹھائے۔

۸۔ یہ یاد کرے کہ یہ تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ ہے۔

۹۔ یہ غور کرے کہ نالہ و فریاد سے دوست رنجیدہ ہوتے ہیں اور دشمن خوش ہوتا ہے

۱۰۔ یہ دیکھے کہ صبر کا انجام دنیا میں بھی اچھا ہی ہوتا ہے۔ حضرت یوسفؑ نے صبر کیا تو خدا نے کتنی بڑی عزت عنایت کی کہ اللہ نے انہیں حاکم بنا دیا اور حاکم کو غلام بنا دیا اور ان کے بھائیوں کو ان کی رعایا میں شامل کر دیا۔ زلیخا کو سرِ راہ لا کر بٹھا دیا وغیرہ وغیرہ۔ اسی طرح حضرت ایوبؑ کو دوبارہ اموال، ازواج و اولاد عطا کر دی جبکہ راہِ امتحان میں سب کچھ فنا ہو چکا تھا اور ان کے گھر میں سونے کی بارش کر دی۔

ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اہلِ بیت اطہارؑ کے مصائب کو یاد کیا جائے کہ ان پر سب سے زیادہ مصیبتیں پڑی ہیں جبکہ وہ سردار خلائق تھے اور انہی کے لیے دنیا پیدا ہوئی تھی۔

اور خبردار تمہارا صبر عوام جیسا نہ ہو کہ وہ صبر سے زیادہ اظہارِ صبر کرتے ہیں اور یہ ریاکاری ہے۔ صبر کا طریقہ متقین کا صبر ہے جس میں اجرِ آخرت کی توقع ہوتی

ہے یا عارفین کا صبر ہے جس میں مصیبت پر لطف آتا ہے کہ یہ محبوب کی عطا ہے اور وہ انجام سے زیادہ باخبر ہے۔

فرزند! یہ بھی یاد رکھنا کہ صبر منافی گریہ نہیں ہے۔ کیا تم نے دیکھا کہ سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے فرزند ابراہیم کے انتقال پر گریہ کیا اور جب کسی نے ٹوکا کہ ہم سے صبر کے لیے کہتے ہیں اور خود گریہ فرماتے ہیں تو آپ نے ڈانٹ کر فرمایا خبردار دل میں تپش ضرور پیدا ہوگی اور آنکھوں سے آنسو بہرحال گریں گے۔ یہ ہمارا صبر ہے کہ ہم رضائے خدا کے خلاف کچھ نہیں کہتے۔

فرزند! مصیبت کے وقت انا للہ و انا الیہ راجعون کہا کرو کہ اس سے صلوٰت ورحمت کا استحقاق پیدا ہوتا ہے اور انسان ہدایت یافتہ لوگوں میں شمار ہوتا ہے۔

فرزند! امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ جب صبر تمام ہوتا ہے تو فرحت نصیب ہوتی ہے اور تجربہ بھی اس کا گواہ ہے کہ ہر تنگی کے ساتھ ایک وسعت ہے۔

فرزند! یہ بھی یاد رکھو کہ صبر بہتیرے اوصاف و اخلاق کا مرجع و مصدر ہے۔ حالات کے اعتبار سے اس کے نام الگ الگ ہیں ورنہ سب صبر کی شاخیں ہیں۔ شکم وشرمگاہ کے بارے میں صبر ہو تو اس کا نام عفت ہے۔ مصیبت پر صبر ہو تو اس کا نام صبر ہے جس کے مقابلہ میں جزع و فریاد ہے۔ ترکِ معصیت پر صبر ہو تو اس کا نام تقویٰ ہے۔ دولت کی برداشت پر ہو تو ضبطِ نفس ہے جس کی ضد اکڑ ہے۔ مصائب وحوادثِ دنیا پر ہو تو اس کا نام وسعت صدر ہے جس کی ضد تنگ دلی ہے۔ جنگ میں ہو تو اس کا نام شجاعت ہے جس کی ضد بزدلی ہے۔ ضبطِ غیظ میں ہو تو اس کا نام حلم ہے جس کی ضد سفاہت ہے۔ کلام کے اخفاء میں ہو تو اس کا نام راز داری ہے جس کی ضد افشاء راز ہے۔ فضول عیش کے مقابلہ میں ہو تو اس کا نام زہد ہے جس کی ضد حرص

ہے۔ مختصر حصہ پر ہو تو اس کا نام قناعت ہے جس کی ضد لالچ اور ہوس ہے ... وغیرہ

توکل:

فرزند! خدا تمہیں دنیا و آخرت کی نیکی عطا کرے۔ اپنے تمام امور میں خدا پر اعتماد کرو۔ تمام امور کی رفتار اسی کے ہاتھ میں ہے اور سب کچھ اسی کے فیصلے سے ہوتا ہے۔ توکل سے انسان رنج و غم سے نجات پا جاتا ہے۔ اور بے جا کوشش نہیں کرتا یاد رکھو کہ کوشش اور مقصد کبھی مل جاتے ہیں اور کبھی الگ ہو جاتے ہیں تو اگر توکل نہ ہوگا تو جب بھی جدا ہو جائیں گے صدمہ ہوگا ورنہ جب بھی حاصل ہو جائے گا خوشی ہوگی۔ اور نہ ملا تو سعیٔ رائگاں کا صدمہ نہ ہوگا۔ قرآن میں ہمیشہ اسباب پر نگاہ رکھنے کو شرک سے تعبیر کیا گیا ہے۔ (مجمع البیان) لہٰذا اپنے تمام معاملات میں خدائے لطیف و خبیر، مالک قضا و تقدیر پر بھروسہ کرو اور اسبابِ ظاہری پر اعتماد کرنا چھوڑ دو۔ اسباب کی اہمیت ایک مچھر کے برابر بھی نہیں ہے۔

خبردار عالم اسباب کے نام پر یہ دھوکہ نہ کھا جانا کہ انسان کی نگاہ اسباب پر ہونی چاہیے۔ یہ وسوسہ شیطانی ہے۔ عالم اسباب کے معنی فقط یہ ہیں کہ اشیاء کا وجود اسباب سے ہوگا نہ کہ بندہ کا اعتماد اسباب پر ہونا چاہیے۔ بندہ کا اعتماد تو خدا ہی پر ہونا چاہیے وہ جب چاہے گا تو اسباب بھی پیدا کر دے گا۔

فرزند! تمہیں طلبِ رزق کے اوامر سے بھی دھوکہ نہ ہو جائے کہ انسان کو ہر وقت روزی کے لیے رواں دواں رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ یہ اوامر فقط تنظیم عالم کے لیے ہیں ورنہ عطائے خداوندی تمہاری طلب کی پابند نہیں ہے۔ اللہ پر اعتماد کرو اسباب کا کام مسبب الاسباب کے حوالے کر دو وہ خود اسباب پیدا کر کے روزی فراہم

کر دے گا۔

ہر شخص کو بقدرِ ضرورت محنت کرنی چاہیے کہ تجربہ یہی ہے کہ جن لوگوں نے اسباب کا کام بھی خدا کے حوالے کر دیا ہے اور صرف اپنے فرائض پر عمل کرتے رہے وہ زیادہ بہتر حالت میں رہے ہیں اور جنہوں نے معرفت کے باوجود اسباب پر اعتماد کیا ہے انہیں نقصان ہوا ہے جس طرح کہ جناب یوسفؑ نے حاکم مصر سے کہا کہ مجھے خزانوں کا امین بنا دے تو خدا نے مدتِ امتحان ایک سال بڑھا دی ورنہ بندے کے بجائے خدا سے کہا ہوتا تو فوراً نجات مل جاتی یا جب قید خانہ کے ساتھی سے کہا کہ اپنے مالک سے میری بھی سفارش کر دینا تو اللہ تعالیٰ نے قید کی مدت میں سات سال کا اضافہ کر دیا کہ میرے غیر سے کیوں کہا ورنہ براہِ راست پروردگار سے کہا ہوتا تو فوراً نجات مل جاتی۔ پروردگار نے اس ترکِ اولیٰ پر تنبیہ کی تم نے بندہ کے ذریعہ بندہ سے کہلوایا جبکہ دونوں میرے قبضے میں ہیں۔ مجھ سے کیوں نہیں کہا جبکہ میں مالک الملوک ہوں۔ اس کے بعد جبرئیل امین کو بھیجا گیا اور انہوں نے پوچھا کہ کب تک قید میں رہنے کا ارادہ ہے تو کہا جب تک خدا چاہے تو جب انہوں نے ہمارا حوالہ دیا تو ہم نے دعائے توسل کے ذریعہ انہیں نجات دلوا دی۔ (مجمع البیان)

یہی حال جناب یعقوبؑ کا ہوا کہ انہوں نے عزیز مصر سے شکایت کی تو پروردگار نے اس وقت تک نجات نہیں دلائی جب تک اس سے رجوع نہیں کی کہ اولیاء کے لیے یہ باتیں ترکِ اولیٰ کا مرتبہ رکھتی ہیں۔

میرے فرزند! خبردار اپنی حاجت کو غیر خدا سے بیان نہ کرنا کہ جو کہنا ہے خدا سے کہنا وہی مالک و مہربان ہے۔ اسی نے ابراہیمؑ کو صرف اس بات پر خلیل بنا دیا کہ انہوں نے اس کے علاوہ کسی سے نہیں مانگا۔ (تفسیر صافی ص ۱۲)

مرسل اعظم ﷺ کا ارشاد ہے کہ تمام خیر کا مرکز و مصدر یہ ہے کہ لوگوں کے ہاتھوں سے امید منقطع کر کے خدا سے لو لگائے۔

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی ہر دعا قبول ہو جائے اسے چاہیے کہ بندوں سے امید قطع کر کے صرف خدا سے امیدیں وابستہ کرے۔ جب خداوند عالم یہ کیفیت دیکھ لے گا تو فوراً مراد پوری کر دے گا۔

اس سلسلے میں امام سجادؑ کی صحیفۂ سجادیہ کی تیرہویں دعا کا مطالعہ نہایت درجہ مناسب رہے گا جس میں اسباب کی حقیقت کا اظہار کر کے خدا سے مانگنے کا سلیقہ سکھایا گیا ہے۔

قناعت:

فرزند! قناعت اختیار کرو، اس میں عزتِ دنیا و آخرت ہے۔ قناعت کو ترک کرنے والا یا تو اہل دنیا کی نظر میں حقیر ہو جائے گا یا ایسے کام کرے گا جو اسے آخرت میں مبتلائے عذاب کر دیں گے۔

قناعت کے معنی پیسہ ہوتے ہوئے تنگ حالی سے زندگی گزارنا نہیں ہے، یہ توسعۂ رزق کے خلاف ہے جس کی اہل و عیال کے بارے میں تاکید کی گئی ہے بلکہ کبھی کبھی یہ کام حقوق نفقہ میں کوتاہی کا مترادف ہو جائے گا۔ قناعت کے معنی ہر ممکن پر راضی رہنا اور آمدنی کے برابر خرچ کرنا ہے کہ اگر صاحب دولت ہے تو اہل و عیال کے لباس و غذا میں وسعت پیدا کرے اور اسراف نہ کرے اور اگر غریب و نادار ہو تو مقدار ممکن پر قانع رہے اور مقدر پر راضی رہے۔ اپنا راز کسی سے بیان نہ کرے اور اپنے فقر کا اظہار نہ کرے کہ اس طرح لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو جائے

گا۔ لوگ بندگانِ دنیا ہیں انہیں غربت کا حال معلوم ہو گیا تو کبھی عزت نہیں کریں گے۔

میرا تجربہ یہ ہے کہ غربت کا اظہار غربت میں مزید اضافہ کر دیتا ہے اور باعثِ ذلت و توہین ہو جاتا ہے تو خبردار اپنے راز کو افشاء نہ کرنا۔ رزق مقدر ہو چکا ہے۔ وہ بہرحال ملے گا۔ اسے خدائے حکیم نے اپنی حکمت و مصلحت سے تقسیم کیا ہے نہ آبرو دینے سے اضافہ ہو گا نہ عفت و قناعت سے کمی ہو گی بلکہ کبھی کبھی اظہارِ غربت کا سلسلہ خالق کی شکایت سے مل جاتا ہے تو موجبِ غضبِ جبار بھی ہو جاتا ہے اور آخرت میں استحقاق عذاب بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ (وسائل ص ۵۳۲)

حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے کہ

"میری عزت و جلال کی قسم جو شخص میرے غیر سے لو لگائے گا اس کی امیدیں منقطع کر دوں گا اور اسے ذلت کا لباس پہنا دوں گا اور اپنے فضل و کرم سے دور رکھوں گا۔"

(وسائل ج ۲، ص ۴۴۷)

حیا:

فرزند! حیا بہترین صفت اور محبوب ترین عادت ہے۔ اسے دنیا و آخرت دونوں میں ممدوح قرار دیا گیا ہے۔ روایات میں ہے کہ

"حیا جزوِ ایمان ہے۔ حیا اور ایمان لازم و ملزوم ہیں۔ حیا جائے گی تو ایمان بھی چلا جائے گا۔ جس میں چار چیزیں پائی جائیں گی وہ سرتاپا گناہ بھی ہوگا تو اسے بخش دیا جائے گا۔ صداقت، حیا، حسنِ اخلاق، شکر (یا امانت)۔" (اصولِ کافی ج ۲، ص ۱۰)

حسنِ اخلاق:

فرزند! بہترین اخلاق اختیار کرو کہ اس میں دنیا و آخرت دونوں کے فائدے ہیں۔ پروردگار نے حسنِ اخلاق کو اپنے حبیب کی صفت خاص قرار دیا ہے۔ حسنِ اخلاق نصف دین ہے۔ (وسائل ج ۳، ص ۳۳۱)

حسنِ اخلاق بہترین عطائے پروردگار ہے۔ (وسائل)

روزِ قیامت انسان کی نیکی کے پلّے میں حسنِ اخلاق سے بہتر کوئی شے نہ ہوگی۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۹۹)

صاحبِ حسنِ اخلاق مثلِ مستقل نمازی اور روزہ دار کے ہے۔ اس کے لیے مجاہد فی سبیل اللہ کا اجر و ثواب ہے۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۱۰۱)

حسنِ اخلاق گناہوں کو پگھلا کر رکھ دیتا ہے جس طرح پانی میں نمک گھل جاتا ہے۔ جنت میں جانے والوں کی اکثریت متقین اور صاحبانِ حسنِ خلق کی ہوگی۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۱۰)

پروردگار کا ارشاد ہے کہ

"صاحبِ حسنِ اخلاق کے گوشت کو جہنم کے حوالے کرنے سے مجھے حیا آتی ہے۔" (وسائل ج ۲، ص ۲۲۱)

"حسنِ اخلاق سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔ حد یہ ہے کہ یہودی کے ساتھ بھی ہو تو حسنِ اخلاق ضروری ہے۔ (مستدرک)

فرزند! میں نے حسنِ اخلاق کے بہترین آثار دیکھے ہیں اور امام جعفر صادقؑ نے کیا خوب فرمایا کہ اگر لوگوں کے ساتھ مالی برتاؤ نہ کر سکو تو کم از کم حسنِ اخلاق کا مظاہرہ تو کرو۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۱۰۳) امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے کہ ہر شخص

کے ساتھ اچھے اخلاق کا مظاہرہ کرو تاکہ چلے جاؤ تو محبت کرے اور مر جاؤ تو گریہ کرے اور انا للہ کہے ایسا نہ ہو کہ الحمد للہ کہنا پڑے۔ (وسائل ج ۲، ص ۲۷۷)

امام جعفر صادقؑ سے پوچھا گیا کہ حسنِ اخلاق کی حد کیا ہے؟ تو فرمایا کہ پہلو کو نرم رکھو، کلام کو پاکیزہ رکھو اور خوش خلقی سے ملاقات کرو۔

(اصول کافی ج ۲، ص ۱۰۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ مومنین کے ساتھ خوش اخلاقی اور بشاشت کے ساتھ ملاقات کرنا چاہیے اور مخالفین کے ساتھ حسنِ اخلاق اور مودت کے ساتھ گفتگو کرنا چاہیے تاکہ ایمان کی طرف کھنچ آئے اور ایمان سے مایوس ہو تو کم سے کم مومنین اس کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ (مستدرک الوسائل ج ۲، ص ۵۱)

فرزند! خبردار اہل وعیال کے ساتھ بد اخلاقی کا برتاؤ نہ کرنا کہ بد خلقی موجب جہنم ہے۔ بد اخلاقی سے ایمان یوں ہی برباد ہو جاتا ہے جس طرح سرکہ سے شہد۔ سعد بن معاذ کے مرنے پر ۷۰ ہزار فرشتوں نے مشایعت جنازہ کی ہے مگر اس کے باوجود فشار قبر میں مبتلا ہوئے ہیں کہ اہل وعیال کے ساتھ برتاؤ اچھا نہ تھا۔

(مستدرک الوسائل ج ۲، ص ۳۳۴)

حلم وعفو:

فرزند! حلم وعفو سے کام لو کہ اہلِ حلم وعفو جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ ان صفات کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ پروردگار نے انھیں اپنے اوصاف میں شمار کیا ہے۔ حلم کے بارے میں انبیاء و اولیاء کے واقعات بکثرت پائے جاتے ہیں اور بعض روایات میں یہ ہے کہ

"انسان جب تک حلیم نہ ہو عبادت گزار نہیں ہو سکتا۔"

(مستدرک ج ۲، ص ۳۰۴)

"اللہ بندۂ بردبار کو دوست رکھتا ہے۔ حلم صفات مومنین میں سے ہے۔" (مشکوۃ الانوار ص ۱۹۵)

جو شخص اقدام کی طاقت رکھتا ہو اور حلم سے کام لے پروردگار روز قیامت اس کے دل کو رضا و امن و ایمان سے بھر دے گا اور قیامت کے بھرے مجمع میں اسے اختیار دے گا کہ جس حور العین کا چاہے انتخاب کر لے اور اسے اجر شہید عطا فرمائے گا۔ (مستدرک ج ۲، ص ۸۸)

نگاہِ پروردگار میں بندۂ مومن کا کوئی گھونٹ اس گھونٹ سے زیادہ عزیز نہیں ہے جو غصہ کو پی جانے میں استعمال ہوتا ہے۔ چاہے صبر کے ذریعہ ہو یا حلم کے ذریعہ۔ انسان جس قدر بھی غصہ ضبط کرتا ہے اور قیامت کے دن جب اولین و آخرین ایک زمین پر جمع ہوں گے تو ایک منادی آواز دے گا۔ صاحبانِ فضیلت کہاں ہیں؟ اس وقت ایک جماعت برآمد ہوگی اور ملائکہ سوال کریں گے تمہاری فضیلت کیا ہے؟ وہ جواب دیں گے کہ ہم قطع تعلقات کرنے والوں سے صلۂ رحم کرتے تھے۔ محروم کرنے والوں کو عطا کرتے تھے۔ ظلم کرنے والوں کو معاف کر دیتے تھے، آواز آئے گی سچ کہا تم نے، جاؤ جنت میں بلا حساب داخل ہو جاؤ۔

(مستدرک ج ۲، ص ۸۷)

"معافی کامیابی کی زکات ہے۔ (نہج البلاغہ)

"سب سے زیادہ معاف کرنے کا حقدار وہی ہے جو سزا دینے پر سب سے زیادہ قدرت رکھتا ہو۔" (وسائل ج ۲، ص ۲۲۳)

فرزند! جو تم پر ظلم کرے اسے معاف کرو تا کہ جس پروردگار کی نافرمانی کر کے تم نے ظلم کیا ہے وہ تمہیں معاف کر دے اور تمہیں بلند ترین درجات حاصل ہوں۔ خبردار غیظ و غضب سے کام نہ لینا کہ یہ ضعفِ عقیدہ کی علامت ہے۔ روایات میں ہے کہ "غضب سے ایمان یوں ہی برباد ہو جاتا ہے جیسے سرکہ سے شہد۔"

(اصول کافی ج ۲، ص ۳۰۲)

"کفر کے چار ارکان ہیں رغبت، خوف، غصہ، غضب۔ اور غضب ہر برائی کی کنجی ہے۔" (اصول کافی ج ۲، ص ۳۰۳)

"غضب سے صاحبان حکمت کا دل بھی تباہ ہو جاتا ہے۔"

(اصول کافی ج ۲، ص ۳۰۵)

"جو اپنے غضب پر قابو نہ رکھ سکے وہ اپنی عقل پر بھی قابو نہ رکھے گا۔"

(اصول کافی ج ۲، ص ۳۰۵)

"ابلیس کا قول ہے کہ غضب میرا جال اور میرا پھندہ ہے۔ میں اس کے ذریعہ بہترین افراد کو جنت کی راہ سے شکار کرتا ہوں۔" مستدرک ج ۲، ص ۳۲۶)

علماء نے غضب پر قابو پانے کے لیے چند نسخے تجویز کیے ہیں:

۱۔ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہنا۔ (مجمع البیان)

۲۔ خدا کو یاد کرنا کہ توریت میں ارشادِ احدیت ہے:

"فرزندِ آدم جب تجھے غصہ آئے تو مجھے یاد کرنا تا کہ میں اپنے غضب میں تجھے یاد رکھوں اور تجھے تباہ نہ کروں اور جب تجھ پر کوئی زیادتی ہو تو میرے انتقام کا انتظار کرنا کہ میرا انتقام تیرے انتقام سے بہرحال بہتر ہے۔" (وسائل ج ۲، ص ۴۷۰)

۳۔ اگر کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اور بیٹھا ہو تو لیٹ جائے۔ (وسائل)

۴۔ جگہ بدل دے کہ شیطان نے جناب موسیٰؑ سے گفتگو کرتے ہوئے یہ نصیحت کی کہ جب تمہیں غصہ آئے تو اپنی جگہ بدل دینا ورنہ مصیبت میں مبتلا کردوں گا۔

۵۔ وضو کرلے اور ٹھنڈے پانی سے ہاتھ منہ دھو ڈالے۔

(جامع السعادات ص ۲۹۶)

۶۔ اگر قرابتدار پر غصہ ہے تو اس کے جسم سے اپنے جسم کو مس کردے کہ اس طرح غصہ فرو ہوجاتا ہے۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۳۰۲)

۷۔ پانی پی لے۔ (محاسن برقی ص ۵۷۲)

۸۔ کشمش کھالے کہ اس سے غصہ دب جاتا ہے۔ (مستدرک ج ۳، ص ۱۱۵)

روایات میں وارد ہوا ہے کہ "جو شخص اپنے غصہ کو روک لے گا پروردگار روزِ قیامت اسے معاف کرے گا اور اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کرے گا اور اسے جنت عطا فرمائے گا۔" (وسائل ج ۲، ص ۴۷۰)

انصاف ومروّت:

فرزند ان دونوں صفات کو اپنائے رکھنا اور کبھی ترک نہ کرنا۔ یہ نجات دہندہ صفتیں ہیں اور ان کا ترک کردینا باعثِ ہلاکت ہے۔

روایات میں ہے کہ "جس کے پاس مروّت نہیں ہے اس کے پاس دین نہیں ہے۔"

"سخت ترین فریضۂ پروردگار اپنے نفس سے انصاف کرنا ہے۔"

(مستمسک ج ۵، ۲۱۳، اصول کافی ج ۲، ص ۴۵)

انصاف کے معنی یہ ہیں کہ دوسروں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور دوسروں کے لیے وہی ناپسند کرے جو اپنے لیے ناپسند کرتا ہے۔

وفا و عہد:

فرزند! خدا تمہارے بارے میں عہد محبت کو پورا کرے۔ جب بھی کسی شے کا وعدہ کرو تو اسے وفا ضرور کرو۔ کتاب و سنت میں اس کی بے حد تاکید وارد ہوئی ہے۔ ارشاد احدیت ہوتا ہے:

"عہد کو پورا کرو کہ اس کے بارے میں روزِ قیامت سوال ہوگا۔"

(سورۂ بنی اسرائیل: ۳)

مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"جس شخص کا بھی خدا اور آخرت پر ایمان ہے اس کا فرض ہے کہ وعدہ کو وفا کرے۔" (اصول کافی ج ۲، ص ۳۶۴)

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ "مومن کا مومن سے وعدہ ایک ایسی نذر ہے جس کا کوئی کفارہ نہیں ہے لہٰذا جو شخص بھی وعدہ کی خلاف ورزی کرے گا وہ حکم خدا کی مخالفت کرے گا۔ اور اس کی ناراضگی کا حقدار ہوگا۔"

(اصول کافی ج ۲، ص ۳۶۳)

وفائے عہد کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ پروردگار عالم نے اسے جناب اسماعیلؑ کے اوصاف و کمالات میں شامل کیا اور مومنوں کو وعدہ کی خلاف ورزی پر سخت تنبیہ کی ہے کہ خبردار جو کرنا نہ ہو اسے کہنا بھی نہیں۔ پروردگار کو یہ بات سخت ناپسند ہے۔

جناب اسماعیلؑ کے بارے میں روایت میں ہے کہ ایک شخص سے انتظار کرنے کا وعدہ کرلیا تھا اور وہ جا کر بھول گیا تو آپ ایک سال تک اسی مقام پر کھڑے رہے۔ یہاں تک کہ شدتِ تمازتِ آفتاب میں بھی جگہ نہیں چھوڑی کہ کہیں وعدہ کی خلاف ورزی نہ ہوجائے۔ درختوں کے پتے چباتے رہے لیکن وعدے پر قائم رہے۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۱۰۵)

فرزند! ایفائے عہد میں حضرت اسماعیلؑ کا طریقہ اختیار کرو اور اگر ایسا نہ کرسکو تو اس سے قریب تر رہنے کی کوشش کرو۔

خبردار جس وعدے کو وفا کرنے کی طاقت نہ ہو اس کا وعدہ نہ کرنا۔ خلف وعدہ سے انسان بدنام ہوجاتا ہے۔

سخاوت:

فرزند! سخاوت اختیار کرو کہ اس کا انجام دنیا اور آخرت دونوں میں بہتر ہے۔ سخی ہر مقام پر باعزت ہوتا ہے۔ بخیل دنیا و آخرت میں ذلیل ہوتا ہے۔

— سخاوت کی فضیلت کے لیے یہ کافی ہے کہ حاتم طائی جہنم میں رہ کر بھی آگ کی شدت سے محفوظ ہے جیسا کہ مرسل اعظم ﷺ نے حاتم کے فرزند عدی سے فرمایا تھا: فرزند! بخل دنیا و آخرت کی روسیاہی ہے لیکن خبردار اتنی سخاوت کا شوق نہ کرنا کہ خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاؤ۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۲۹)

میانہ روی سے کام لو اور بخل و اسراف کے درمیان سے زندگی کا راستہ نکالو۔

فصل سوئم

دیگر مختلف وصیتیں:

فرزند! اللہ تمہیں ہر خیر کی توفیق دے اور ہر شر سے محفوظ رکھے۔ حب دنیا کو دل سے نکال دو۔ یہ ایک زہرِ قاتل اور مرضِ مہلک ہے۔ اس کا انجام رحمتِ خدا سے دوری اور آتشِ جہنم ہے۔

محبتِ دنیا کے دل سے نکالنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ دنیا کے بارے میں غور کرو کہ یہ کوئی عمدہ شے ہوتی تو ربّ کریم اپنے اولیاء اور انبیاء کو اسے محروم کیوں کرتا جبکہ ان کی عقلیں سب سے زیادہ کامل تھیں اور وہ اس سے اس طرح الگ نہ رہتے جس طرح ہم لوگ شیر سے دور بھاگتے ہیں۔ (اصولِ کافی ج ۲، ص ۳۱۵)

پروردگار نے مختلف آیات میں محبتِ دنیا کی مذمت کی ہے اور احادیث میں اس کی شدید تاکید وارد ہوئی ہے۔

امام سجادؑ کا ارشاد ہے کہ

"بہترین عمل بغضِ دنیا ہے کہ دنیا کی محبت میں گناہ کے بے شمار رُخ نکلتے ہیں۔ ایک رُخ تکبر ہے جس میں ابلیس مبتلا ہوا۔ ایک حرص ہے جس کی وجہ سے حوّا نے آدمؑ کو گندم کھانے کی دعوت دی۔ ایک حسد ہے جس کی وجہ سے قابیل نے ہابیل کو قتل کردیا۔ اس کے بعد حبِ نساء، حبِ دنیا، حبِ ریاست، حبِ راحت، حبِ کلام، حبِ ثروت اور بلندی وغیرہ ہے کہ

جس میں حب دنیا تمام برائیوں کی اصل ہے۔"

(اصول کافی ج ۲، ص ۳۱۵)

روایات متواترہ میں حب دنیا کی مذمت وارد ہوئی ہے اور بعض روایات میں حب دنیا کو آخرت فراموشی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی طلب کو آخرت کا نقصان بتایا گیا ہے۔

— دنیا و آخرت دو سوت ہیں جو ایک گھر میں جمع نہیں ہو سکتیں۔

(مستدرک ج ۲، ص ۳۲۰)

— دنیا و آخرت مشرق و مغرب ہیں جو ایک سے قریب ہوگا وہ دوسرے سے دور ہو جائے گا۔ (مستدرک ج ۲، ص ۳۳۱)

دنیا و آخرت مثل آگ اور پانی کے ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے اور سچ پوچھئے تو محبت دنیا ایک طرح کا شرک ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان کو آخرت پر اعتماد اور کتاب و سنت کے بیانات پر اطمینان نہیں ہے ورنہ آخرت کے ہوتے ہوئے دنیا سے دل لگانے کا کیا مطلب ہے۔

فرزند، دنیا میں زہد اختیار کرو حرام کو چھوڑو کہ عذاب کا خطرہ ہے۔ شبہات سے پرہیز کرو کہ عتاب کا اندیشہ ہے۔ حلال میں بھی حساب ہے لہٰذا اس سے بھی ہوشیار رہو۔ انہی خواہشات پر عمل کرو جنہیں شریعت نے سہارا دیا ہے جیسے نکاح۔ اس کے بعد کم سے کم پر قناعت کرو۔ لباس و غذا معمولی رکھو۔ آخرت پر توجہ دو تا کہ لذت آخرت سے آشنا ہو سکو۔

یاد رکھو کہ زہد کے معنی کھانے پینے کے ترک کر دینے کے نہیں ہیں۔ اس کے معنی مقدر پر راضی رہنے کے ہیں اور وسعت میں بھی میانہ روی اختیار کرنے کے ہیں۔

امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

"زہد مال کی بربادی اور حلال کی حرام سازی نہیں ہے۔ زہد کے معنی صرف یہ ہیں کہ اپنے ہاتھ کے مال پر وعدۂ خدا سے زیادہ اعتماد نہ ہو۔" (مستدرک ج ۲، ص ۳۳۱)

امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ

"دنیا میں زہد کے معنی امیدوں میں کمی، نعمتوں پر شکر اور حرام سے پرہیز ہے۔ (مستدرک ج ۲، ص ۳۳۳)

فرزند! رسولؐ اور آلِ رسولؐ سے توسل اختیار کرو کہ میں نے تمام روایات کے مطالعہ سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ پروردگار نے جس نبیؑ کے ترکِ اولیٰ پر توبہ قبول کی ہے اسے انہی کے وسیلے سے قبول کیا ہے۔

حضرت آدمؑ کو پیدا کرنے کے بعد انوار معصومینؑ کو عرش سے ان کے صلب میں منتقل کردیا اور ملائکہ کا سجدہ درحقیقت اسی نور کے طفیل میں تھا اور اصل میں سجدہ پروردگار کا تھا کہ اس کے حکم پر سجدہ ہو رہا تھا۔ یہ اللہ کی بندگی محمدؐ و آل محمدؐ کی تعظیم اور آدمؑ کی اطاعت کا ایک مظاہرہ تھا۔

جب آدمؑ نے یہ سوال کیا پروردگار یہ انوار کس کے ہیں تو ارشاد ہوا کہ یہ بہترین مخلوقات ہیں۔ بزرگ ترین بندے ہیں۔ انہی کے ذریعے میں عطا کرتا ہوں اور انہی کے ذریعہ ثواب و عتاب کا کام ہوتا ہے۔ آدمؑ انہیں وسیلہ بناؤ تاکہ تمہاری مشکل حل ہوجائے۔ میں نے یہ طے کرلیا ہے کہ ان کے ذریعہ مانگنے والے کو مایوس نہ کروں گا اور سائل کو رد نہ کروں گا۔

اس کے بعد جناب یعقوبؑ، جناب یوسفؑ سب نے انہیں وسیلہ بنایا ہے

تو ان کی دعائیں قبول ہوئی ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۲۴۲)

فرزند! عزائے سید الشہداء کا خیال رکھنا اور روزانہ بقدر امکان عزا قائم کرنا اور اگر مصارف نہ ہوں تو گھر والوں کو جمع کر کے مصائب سنا دینا اس لیے کہ حسینؑ پروردگار کو بہت عزیز ہیں۔ انہوں نے شہادت کا عظیم درجہ حاصل کیا ہے اور راہِ خدا میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا ہے۔ ان سے توسل میں خیرِ دارین اور فلاحِ دنیا و آخرت ہے۔

فرزند! زیارت امام حسینؑ کا بھی خیال رکھنا اور روزانہ کم از کم ایک مرتبہ زیارت ضرور پڑھنا اور ممکن ہو تو ہر مہینہ کربلا جانا اور یہ بھی نہ ہو سکے تو سال میں سات* مواقع پر کربلا میں ضرور حاضری دینا۔ اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم سال میں ایک مرتبہ حاضری دینا۔ (وسائل ج ۲، ص ۳۹۳)

اس لیے کہ اس کے بے شمار اثرات ہیں اور میں نے زیارت و عزاداری کے ایسے اثرات دیکھے ہیں جو عقل سے بالاتر ہیں اور کم از کم مشاہدہ یہ ہے کہ جب بھی زیارت حسینؑ کی ہے ایک نہ ایک مشکل ضرور حل ہوئی ہے اور رزق میں اضافہ ہوا ہے۔ اس کے بعد ثواب تو سب سے بالاتر ہیں۔ (وسائل ج ۲، ص ۳۹۰)

فرزند! خدا تمہیں ہر عمل خیر کی توفیق دے اور عمر طبعی تک زندہ رکھے۔ دیکھو بزرگوں کا احترام کرنا، پروردگار ان کے ذریعے بلاؤں کو رد کرتا ہے۔ (حدیثِ قدسی) خبردار انہیں ناراض نہ کرنا کہ اس کے برے اثرات ہیں۔

---

* ۱۔ شب عاشور اور روز عاشور ۲۔ اربعین ۳۔ اوّل رجب
۴۔ ۱۵ ر رجب ۵۔ ۱۵ ر شعبان ۶۔ شب عید الفطر
۷۔ روز عرفہ
(جوادی)

جس قدر ممکن ہو ماں باپ کا احترام اور ان کے ساتھ نیکی کرنا کہ قرآن و حدیث میں اس کی شدید تاکید وارد ہوئی ہے۔ خبردار ان کے معاملہ میں سستی نہ برتنا کہ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ جب جناب یعقوبؑ، جناب یوسفؑ کے پاس آئے تو انہوں نے سواری سے اتر کر باپ کا استقبال نہیں کیا تو اس ترکِ اولیٰ کا نتیجہ یہ ہوا کہ جناب جبریلؑ نازل ہوئے اور یوسفؑ کی ہتھیلی سے ایک نور نکال لیا۔ یوسفؑ نے سوال کیا: ''جبریل یہ کیا؟'' فرمایا کہ اب نبوت آپ کی اولاد میں نہیں رہے گی۔ اس لیے کہ آپ نے باپ کا مکمل استقبال نہیں کیا ہے اور پروردگار نے اس کے زیرِ اثر آپ کی نسل سے سلسلۂ نبوت ختم کردیا ہے۔*

(مجمع البیان ج ۵، ص ۲۹۴)

احترام علماء:

فرزند! علماء عاملین کا احترام کرنا۔ یہ دین کے منارے، شریعت کے امانتدار اور امام عصرؑ کے نائب ہیں۔ البتہ بے عمل علماء سے دور بھاگنا جس طرح شیر سے فرار ہوتے ہیں کہ یہ بحکم امامؑ عالم نہیں ہیں اور ان کا ضرر دین کے بارے میں لشکر یزید بن معاویہ سے زیادہ ہے۔ (تفسیر برہان ج ۱، ص ۱۱۸)

احترام ذریت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

فرزند! اولادِ رسولؐ کا احترام کرنا کہ یہ ذریت علیؑ و فاطمہؑ ہیں اور ان کی محبت مطلوب پروردگار ہے جہاں تک ممکن ہو ان کا احترام کرنا کہ رضائے پروردگار

---

* ظاہر ہے کہ یہ روایتیں اخلاقیات کی اہمیت کے اظہار کے لیے ہیں ورنہ نبوت کا فیصلہ روز اول ہو چکا ہے اس کا انحصار تعظیم اور عدم تعظیم پر نہیں ہے۔ (جوادی)

اور خیرِ دنیا و آخرت ہے۔ (مستدرک ص ۴۰۰)

اور دیکھو خبردار، اپنے احترام کو صرف نیک کردار سادات تک محدود نہ رکھنا کہ ان کا حکم علماء کا نہیں ہے کہ بے عمل قابلِ احترام نہ ہوں۔ ان کا حکم اولاد کا ہے اور اولاد بہرحال اولاد ہوتی ہے۔ ہاں اگر ترکِ احترام سے ہدایت کا امکان ہو تو احترام نہ کرو تاکہ ہدایت کے راستے پر آجائیں اور یہ نہی عن المنکر کا ایک طریقہ ہے۔ اگرچہ اس میں بھی احتیاط یہی ہے کہ ظاہراً احترام کرتے رہو اور تنہائی میں نصیحت کرو جیسا کہ احمد بن اسحاق اشعری کے واقعے میں ہے کہ

"حسین بن حسین فاطمی ان سے ملنے کے لیے آئے تو انہوں نے شرابی ہونے کی وجہ سے ملنے سے انکار کردیا۔ اور جب حج میں جاتے ہوئے سامرہ میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے بھی ملاقات سے انکار کردیا جب اصرار شدید کے بعد اجازت ملی تو ابن اسحاق نے عرض کی فرزندِ رسولؐ آپ ناراض کیوں ہیں؟ فرمایا: تم نے حسین بن حسین کو کیوں روکا تھا؟ عرض کیا: میرا مقصد شراب سے پرہیز کرانا تھا، فرمایا: صحیح ہے۔ نہی عن المنکر فریضہ ہے لیکن احترام میں فرق نہیں آنا چاہیے۔ ابن اسحاق نے یہ بات محفوظ کرلی اور واپسی پر حسین کا بے حد احترام کیا۔ انہوں نے گھبرا کر سبب پوچھا: احمد نے سبب بیان کیا۔ حسین پر اس بیان کا اتنا اثر ہوا کہ توبہ کر کے شراب کے تمام ظروف توڑ کر پھینک دیئے اور مسجد میں اعتکاف کر کے انتقال کر گئے۔" (مستدرک ج ۲، ص ۴۰۰)

یہ بھی یاد رکھو کہ یہ تاکید غیر فاطمی سادات کے لیے نہیں ہے اگرچہ وہ ہاشمی ہونے کے اعتبار سے اشرف اور محترم ہیں لیکن ان کا شمار ذریت و قربائی رسولؐ میں نہیں ہے۔

مشتبہ حالات میں احتیاط سے کام لینا چاہیے البتہ جو لوگ ماں کی طرف سے سید ہیں ان کا احترام ہونا چاہیے اس لیے کہ بیٹی کی اولاد بھی اولاد ہی ہوتی ہے اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ اسی رشتے سے ابناء پیغمبرؐ ہیں۔ صرف اس رشتہ کے لوگوں کو خمس کا استحقاق نہیں ہوتا کہ روایت مرسلہ حماد بن عیسیٰ میں خمس کے لیے باپ کی طرف سے سید ہونے کی شرط ہے ورنہ وہ احترام میں دونوں برابر ہیں اور دونوں کا احترام ہونا چاہیے۔

صلۂ رحم:

فرزند! قرابت داروں سے تعلقات قائم رکھو کہ اس سے عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور رزق میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ یہ رضا بے شمار نفع دنیا و آخرت کا ذریعہ ہے۔ وہ قطع تعلق بھی کر لیں تو تم رابطہ رکھو جیسا کہ امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ قطع تعلق کرنے والے قرابت داروں سے صلۂ رحم کرنا زیادہ فضیلت اور ثواب رکھتا ہے اور نفس کی اطاعت سے زیادہ محفوظ رکھتا ہے۔

خبردار! قطع رحم نہ کرنا کہ قرابت اللہ کی راہ میں فریادی رہتی ہے کہ پروردگار جو مجھ سے تعلق رکھے تو اس سے تعلق رکھنا اور جو مجھ سے قطع تعلق کرلے تو اس سے قطع تعلق کر لینا۔ میں نے صلۂ رحم کے بے شمار اثرات دیکھے ہیں اور قطع تعلق رکھنے والے کے ساتھ تعلقات کا عجیب و غریب اثر مشاہدہ کیا ہے لہٰذا تم اس باب میں

سستی اور کمزوری سے کام نہ لینا اور برابر تعلقات کو استوار رکھنا۔

مفلوک الحال مومنین کا خیال رکھنا بالخصوص ہمسایہ اور قرابتدار کہ ان کے خیال میں عزت دنیا و آخرت ہے اور مرضیٔ پروردگار بھی ہے۔ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ جناب یعقوبؑ پر فراق یوسف کی افتاد اس لیے پڑی تھی کہ انہوں نے ایک دنبہ ذبح کیا اور ہمسایہ کے حالات دریافت کیے بغیر استعمال کر لیا حالانکہ ہمسایہ میں ایک شخص فاقہ شکنی کے لیے آذوقہ کا محتاج تھا۔* (تفسیر صافی ص ۲۶۹)

فرزند! اپنے جملہ امور میں میانہ روی سے کام لینا۔ اس کا انجام بہتر اور عاقبت قابل تعریف ہے۔ مالک کائنات نے اپنے پیغمبرؐ کو اقتصاد و میانہ روی کا حکم دیا ہے اور جب پیغمبرؐ سے سوال کیا گیا کہ راہِ خدا میں کیا خرچ کیا جائے تو قرآن نے بھی جواب دیا کہ ''اپنی ضرورت سے زیادہ۔'' فرزند، ہمیشہ اپنے سے پست افراد کے حالات پر نظر رکھنا اور شکرِ خدا کرتے رہنا کہ ان سے بہتر ہو۔ اپنے سے اچھے حالات والوں پر نگاہ نہ کرنا کہ نفس کو اذیت ہو اور راحتِ دنیا اور اجرِ آخرت دونوں کا خاتمہ ہو جائے۔

فرزند! جہاں تک ممکن ہو لوگوں سے زیادہ میل جول نہ رکھنا کہ اس طرح انسان حق سے غافل اور موت سے بے گانہ ہو جاتا ہے۔ عبادت کا وقت کم ہو جاتا ہے اور تحصیلِ علم دین، ذکر، فکر کے مواقع ہاتھ سے نکل جاتے ہیں۔ لوگوں کے حالات کی طمع پیدا ہو جاتی ہے اور غیبت، بہتان وغیرہ سننے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔

---

* یہ بھی ترک اولیٰ کی ایک قسم ہے جس پر انبیاء کرام کا امتحان سخت ہو جاتا ہے۔ لہٰذا تم بھی نعمات دنیا سے استفادہ کرنے سے پہلے دوسروں کا لحاظ کرو ورنہ کسی وقت بھی تمہارا امتحان ہو سکتا ہے۔

(جوادی)

کبھی کبھی مہمل قسم کے لوگوں کے ساتھ رہنا پڑتا ہے۔ اور اس طرح فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے۔ اور قیامت کے دن ندامت کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ خبردار، وقت گذرنے سے پہلے ہوشیار ہو جاؤ۔

فرزند! خبردار، خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرو۔ نفس کی متابعت ہلاکت اور زہرِ قاتل ہے۔ امیرالمومنینؑ نے فرمایا ہے کہ

"سب سے زیادہ خطرہ خواہشات کے اتباع اور امیدوں کے طول طویل ہونے سے ہے کہ خواہشات کا اتباع حق سے روک دیتا ہے اور امیدوں کا طول آخرت کو بھلا دیتا ہے۔"

(روضہ کافی ص ۵۸)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

"اپنی خواہشات سے اس طرح بچو جس طرح دشمن سے بچتے ہو۔ خواہشات سے بدتر دنیا کا کوئی شخص نہیں ہے۔ ہر تباہی خواہشات اور بدزبانی سے پیدا ہوتی ہے۔"

(اصول کافی ج ۲، ص ۳۳۵)

فرزند! صبح کے وقت شام اور شام کے وقت صبح کی فکر نہ کرو ورنہ امیدیں غافل بنا دیں گی۔ ہر وقت یہ سوچو کہ دوسرے وقت نہیں رہنا ہے اور اپنی حیثیت اس جنازہ کی ہے جو غسال کے سامنے رکھا ہوا ہے۔

وصیت:

فرزند! بلوغ کے بعد ہی اپنا وصیت نامہ تیار کرلو اور جب بدلنے کی ضرورت

پڑے تو اسے بدل دو۔ اپنے قرضے اور مطالبے بھی لکھ کر رکھو۔ مجھے اکثر یہ اتفاق ہوا ہے کہ شدید سردی کے زمانے میں اگر بستر پر لیٹنے کے بعد یاد آیا کہ میں نے کسی سے ایک یا دو درہم قرض لیا ہے تو میں بستر سے اٹھ کھڑا ہوا اور پہلے اسے نوٹ کیا اور اس کے بعد آ کر لیٹا کہ مبادا موت آجائے اور یہ قرض میرے ذمہ رہ جائے کہ اگر قرض خواہ مطالبہ نہ کرے تو میں مقروض رہ جاؤں اور اگر مطالبہ کرے تو ورثا اس سے گواہی یا قسم کا مطالبہ کریں گے اور یہ اس کو بلا سبب زحمت ہوگی جبکہ اس نے قرض دے کر احسان کیا ہے اور احسان کا بدلہ یہ نہیں ہے کہ اسے گواہی یا قسم کی زحمت میں ڈالا جائے اور اگر ثبوت فراہم نہ کر سکے اور ورثا ادا نہ کریں تو میں مسئول الذمہ رہ جاؤں۔

قرض کی گواھی:

فرزند! جب بھی کوئی قرض لو یا دو تو حکم قرآن کے مطابق اسے ضبط تحریر میں لے آؤ اور اس پر گواہ بھی معین کرو کہ شریعت کے ایک حرف کا ترک کرنے والا بھی محتاج ہو سکتا ہے۔ رب کریم نے ہر قانون مصلحت سے بنایا ہے اور کوئی قانون بیکار نہیں بنایا ہے لہٰذا خبردار ان مصلحتوں کو ضائع اور برباد نہ ہونے دینا۔

فرزند! خدا تمہاری عمر دراز کرے اور تمہارے امور کی اصلاح کرے اور تمہیں علم و عمل میں کمال عطا کرے۔ آداب شرعیہ کا التزام کرو جملہ حرکات و سکنات وضو، غسل، کھانا، پینا، سونا، جاگنا، بیت الخلاء، ہم بستری، لباس، مکان ہر کام میں احکام شریعت کی پابندی کرو۔ یہ احکام بلا سبب نہیں بنائے گئے ہیں۔ ان کے دنیا و آخرت میں نتائج اور فوائد ہیں۔ ان کے بارے میں غفلت اور سستی سے کام نہ

لینا۔ میں عنقریب تمہارے لیے یہ سارے آداب ایک رسالہ میں جمع کردوں گا تاکہ تمہیں تلاش کرنے کی زحمت نہ ہو اور صرف عمل کرنے کی ذمہ داری رہ جائے۔

ذکرِ خدا:

فرزند! ہر وقت خدا کو یاد رکھو۔ یادِ خدا سے دل کی زندگی، ربّ کا قرب، برکت کی زیادتی بلکہ ہلاکت سے نجات، شیطان سے دوری، رحمان سے قربت حاصل ہوتی ہے۔

معصومؑ کا ارشاد ہے کہ ہمارے مومن کی پہچان ہے کہ تنہائیوں میں برابر خدا کو یاد کرتا رہتا ہے اور جو بھی خدا کو یاد کرتا ہے خدا اسے دوست رکھتا ہے اور اسے نفاق اور جہنم دونوں سے محفوظ رکھتا ہے اور جنت میں جگہ دیتا ہے۔ اہلِ جنت کسی چیز پر نادم نہیں ہوں گے مگر اس لحہ پر ضرور نادم ہوں گے جو یادِ خدا کے بغیر گزر گیا کہ کاش اس لحہ میں بھی یادِ خدا کی ہوتی تو درجات اور بلند ہوجاتے۔

فرزند! خبردار کوئی مجلس یادِ خدا سے خالی نہ رہے کہ امامؑ کا ارشاد ہے کہ

"جس مجلس میں خدا کا اور ہمارا ذکر نہ ہو وہ صاحبِ مجلس کے لیے وبال اور حسرت بن جائے گی۔"

(اصول کافی ج ۲، ص ۴۹۸)

یہ یاد رہے کہ یاد سے مراد فقط زبانی تذکرہ نہیں ہے بلکہ توجہ قلب ہے جس کا مقدمہ ذکر لسان ہوتا ہے۔ پروردگارِ عالم نے ابراہیمؑ کو اسی بات پر خلیل بنا دیا کہ خدا کو بہت یاد کرتے تھے۔ ذکرِ قلب ذکرِ زبان سے ستر گنا زیادہ ثواب رکھتا ہے۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۴۷۲)

استغفار:

فرزند! سحر کے وقت استغفار کرو اور ہر صبح کو سو مرتبہ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ دس مرتبہ، سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہا کرو۔

گھر سے نکلتے وقت عمامہ کا سرا لٹکا دو اور یہ دعا پڑھو: بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ آمَنْتُ بِاللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ

(اصول کافی ج ۲، ص ۱۴۳)

کوئی بھی واقعہ دیکھو سوال کرنے کی کوشش نہ کرو۔ لقمان حکیم نے جناب داؤدؑ کو زرہ بناتے دیکھا تو ارادہ کیا کہ دریافت کریں پھر حکمت آڑے آگئی۔ اور چپ ہو گئے۔ تھوڑی دیر میں جناب داؤدؑ نے اسے مکمل کر کے پہن لیا اور فرمایا کہ جنگ کے لیے بہترین زرہ ہے۔ لقمان نے کہا: بیشک خاموشی ایک حکمت ہے مگر اس پر عمل کرنے والے بہت کم ہیں۔

فرزند! مستحبات کو خلوتوں میں انجام دو تا کہ ریاکاری کا امکان نہ رہے۔ لوگوں کے سامنے لا الٰہ الا اللہ کہتے رہو کہ یہ بہترین ذکر بھی ہے اور یہ ورد خاموشی سے ہو بھی سکتا ہے کہ اس کے تمام حروف ساکت ہیں اور اسی لیے اسے ذکرِ خفی قرار دیا گیا ہے اور اس کا فضل دیگر اذکار پر ستر گنا زیادہ ہوگا۔

فرزند! لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ آلِهِ الطَّاهِرِيْنَ کثرت سے کہا کرو کہ اس میں شیاطین کو بھگانے کی عجیب و غریب تاثیر پائی جاتی ہے۔

فرزند! معصومینؑ کی جتنی دعائیں ہیں سب کی تلاوت کرو چاہے زندگی میں

ایک ہی مرتبہ ہو اور ہر عمل پر عمل کرو چاہے ایک ہی بار ہو کہ ہر عمل کا ایک خاص اجر اور ہر دعا کی ایک خاص تاثیر ہے۔ تم اس اجر سے کیوں محروم رہ جاؤ۔ عبادتوں اور دعاؤں کا حساب پھلوں کا ہے کہ انسان جس باغ میں داخل ہوتا ہے اس کے ہر پھل کو چکھنا چاہتا ہے تو جب بستانِ عبادت میں داخل ہو تو ہر عبادت اور ہر دعا کا ذائقہ محسوس کرنا چاہیے۔

فرزند! روزانہ کسی نہ کسی مقدار میں قرآن ضرور پڑھو۔ بالخصوص سحر کے وقت تلاوت بھی کرو اور معانی پر غور بھی کرو تا کہ اس کے احکام پر عمل کر سکو۔ ائمہ معصومینؑ کی تفسیر کا مطالعہ کرتے رہو تا کہ مشکلاتِ قرآن حل ہوتے رہیں۔

فرزند! جہاں تک ممکن ہو باطہارت رہو۔ طہارت شیطان کے مقابلہ میں مومن کا اسلحہ ہے۔ اس سے عذابِ قبر دفع ہوتا ہے۔ حاجت روائی ہوتی ہے۔ عمر میں زیادتی، رزق میں وسعت، جاہ وعزت میں اضافہ، بلندیٔ رفعت و منزلت، صحتِ بدن، فرحت و نشاط اور حافظہ و ذہن حاصل ہوتا ہے۔ وضو نصف ایمان ہے۔
(مستدرک ص ۴۱)

مومن جب تک باوضو رہے ثواب تعقیبات حاصل کرتا رہتا ہے۔
(وسائل ج ۱، ص ۲۰۴)

باطہارت مرنے والا شہید مرتا ہے۔ (مستدرک ج ۱، ص ۴۲)

باوضو سونے والا تمام رات عبادت گذار شمار ہوتا ہے۔
(وسائل ج ۱، ص ۵۰)

باوضو بستر پر آنے والے کے لیے بستر مسجد کا درجہ رکھتا ہے۔
(وسائل ج ۱، ص ۵۰)

مومن کی روح خواب کے عالم میں ملاء اعلیٰ کی سیر کرتی ہے تو اسے باطہارت رہنا چاہیے تاکہ وہاں ربّ سے ملاقات کرنے کے قابل ہو اور برکتیں حاصل کر سکے۔

فرزند! وسوسہ شیطانی کے وقت اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھو۔

فرزند! فرائض کو اوّل وقت ادا کرو کہ یہ افضل بھی ہے اور براءت ذمہ کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ اس سے بدن کو راحت رہتی ہے اور روح کو سکون رہتا ہے۔ روایت میں ہے کہ نماز سے پہلے کوئی عمل قبول نہیں ہوتا تو پہلے نماز ادا کر لو تاکہ ہر عمل قبول ہو جائے اور رزق میں وسعت بھی ہو۔ (مستدرک ج ۱، ص ۱۷۱)

نوافل کی پابندی:

فرزند! دن و رات کے تمام نوافل ادا کرو چاہے مختصر طریقہ ہی پر کیوں نہ ہو۔ نوافل سے فرائض کی تکمیل ہوتی ہے اور تجربہ یہ کہتا ہے کہ نافلۂ شب سے وسعتِ رزق اور نافلۂ ظہرین سے توفیقات میں اضافہ ہوتا ہے۔

خبردار، نوافل کو اس لیے نہ ترک کرنا کہ مشغولیت زیادہ ہے۔ نوافل مشغولیت کے مددگار ہیں منافی نہیں ہیں۔ علم عمل کا مقصد ہوتا ہے علم کی خاطر عمل کا ترک کر دینا بے فائدہ ہے۔

فرزند! جہاں تک ممکن ہو فرائض کو جماعت * کے ساتھ ادا کرو چاہے امام بنو یا ماموم کہ جماعت کا ثواب بے پناہ ہے، وہ ضائع نہ ہونے پائے۔

فرزند! نماز کے بعد تسبیح زہراؑ کی پابندی کرو اور سجدۂ شکر ضرور ادا کرو۔ کسی

---

* روایت میں ہے کہ جماعت میں ایک نفر کا ثواب ۱/۲ ۲۷ سو گنا ہے پھر جیسے جیسے افراد بڑھتے جائیں گے ثواب دگنا ہوتا جائے گا یہاں تک کہ جب مجمع اس سے بڑھ جائے گا تو ثواب بے حساب ہو جائے گا کہ انسان و جنات مل کر بھی حساب نہیں کر سکتے۔ (جوادی)

مصیبت میں مبتلا ہو تو سجدۂ شکر کی نیت سے پیشانی خاک پر رکھو اور وہ دعا پڑھو جو جبریل امینؑ نے حضرت یوسفؑ کو تعلیم دی تھی جس کے بعد وہ قید سے رہا ہو گئے تھے اور کنویں سے باہر نکل آئے تھے۔

فرزند! ہر مہینے کے پہلے اور آخری پنج شنبہ اور درمیانی چہار شنبہ کو روزہ رکھو کہ یہ تمام زندگی کے روزے کے برابر ہے۔ (مستدرک ج ۱، ص ۵۹۳)

فرزند! روزانہ کم از کم تین مرتبہ سورۂ قل ہو اللہ پڑھو کہ ایک قرآن ختم کرنے کے برابر ہے اور اسی لیے جناب سلمانؓ نے اس بات پر ناز کیا تھا کہ میں تمام روز روزہ رکھتا ہوں، تمام رات عبادت کرتا ہوں اور روزانہ ختم قرآن کرتا ہوں اور جب حضرت عمرؓ نے اعتراض کیا تو سلمانؓ نے کہا میں ہر مہینے کے تین روزے رکھ کر (دس گنا ثواب لے کر) اسے مہینے کے برابر بناتا ہوں۔ ہر رات باوضو سو کر شب بیداری کا ثواب لیتا ہوں۔ اور روزانہ تین مرتبہ قل ہو اللہ پڑھ کر پورے قرآن کا ثواب لیتا ہوں اور پیغمبر اسلام ﷺ نے سلمان فارسیؓ کے اس دعویٰ کی تصدیق فرما دی۔

نوم وطعام:

فرزند! خبردار زیادہ کھانا کہ اس سے سستی اور سنگ دلی پیدا ہوتی ہے۔

روایات میں ہے کہ انسان شیطان سے اس وقت قریب تر ہوتا ہے جب اس کا پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ (مستدرک ج ۳، ص ۸۱)

خدا کے نزدیک ناپسندیدہ ترین شے شکم سیری ہے۔

(مستدرک ج ۲، ص ۸۰)

مومن کے لیے مضر ترین شے پیٹ کا بھرا ہونا ہے۔ ہمیشہ ایک تہائی شکم پانی کے لیے رکھو، ایک تہائی سانس کے لیے اور ایک تہائی کے برابر کھانا کھاؤ کہ یہی مزاج کے لیے سازگار اور بدن کے لیے صالح ہے۔ (مستدرک ج ۳، ص ۸۰)

خبردار یہ نہ سمجھنا کہ قوت زیادہ کھانے سے پیدا ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں، قوت کا تعلق ہاضمہ سے ہے کھانے سے نہیں، اور ہاضمہ کم کھانے ہی میں کام کرتا ہے۔ زیادہ کھانے میں نہیں، معدہ ایک پتیلی ہے اور پتیلی میں جتنی جگہ خالی ہوگی اتنی ہی اچھی غذا پختہ ہوگی۔ خبردار شکم سیری میں اشتہاء کے بغیر نہ کھانا کہ اس سے بدہضمی، برص، حماقت اور نادانی پیدا ہوتی ہے۔ (وسائل ج ۳، ص ۲۶۳)

خبردار! زیادہ سونا بھی نہیں کہ اس سے عمر عزیز ضائع ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ریاضت میں لگ جاؤ۔ نہیں یہ کام تو اور برا ہے اس سے تو الگ ہی رہنا چاہیے اور آب و ہوا کے مطابق غذا استعمال کرتے رہنا چاہیے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ ہر کام بقدر ضرورت انجام دو اور زیادتی نہ ہونے پائے۔

زیادہ ہنسی:

فرزند! خبردار زیادہ ہنسی سے کام نہ لینا کہ اس سے دل مردہ اور چہرہ بے آبرو ہوجاتا ہے۔ ہنسی کا بہترین علاج انگوٹھے پر نگاہ کرنا ہے کہ اس سے ہنسی رک جاتی ہے اور ہنسی کا کفارہ اَللّٰھُمَّ لَا تَمْقُتْنِی ہے۔

مختصر ہنسی میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ خوش خلقی کی علامت ہے ممدوح صفت ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی بقدر تبسم ہوا کرتی تھی۔

ہنسی کی طرح زیادہ مذاق بھی نہ کرنا کہ اس سے آبرو جاتی رہتی ہے۔

(وسائل الشیعہ)

نور ایمان ختم ہوجاتا ہے۔ (مستدرک ج ۲، ص ۷۸)

مروّت کم ہوجاتی ہے۔ (مستدرک ج ۲، ص ۷۷)

عداوت پیدا ہوتی ہے۔ (وسائل ج ۲، ص ۲۱۷)

مختصر مزاح بہترین شے ہے اور یہی ائمہ معصومینؑ کا طریقہ رہا ہے اور انہوں نے اصحاب کو بھی یہی تعلیم دی ہے کہ اس کا شمار مومن کو خوش کرنے میں ہے جو بہترین کارِ ثواب ہے۔

فرزند! خبردار کسی مومن کے قتل پر خوش نہ ہونا کہ امام علی رضاؑ کا ارشاد ہے جو کسی کے عمل سے خوش ہوتا ہے اس کا شمار عمل کرنے والوں میں ہوتا ہے۔

(مستدرک ج ۲، ص ۳۴۴)

ارشاد ہوتا ہے کہ اگر مومن کا قتل مشرق میں ہوتا ہے اور دوسرا شخص مغرب میں اس سے خوش ہوتا ہے تو اس کا شمار بھی قاتلوں میں ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ امام عصرؑ ظہور کے بعد قاتلانِ حسینؑ کی اولاد سے انتقام لیں گے کہ وہ اپنے بزرگوں کے عمل سے راضی رہی ہے۔ (تفسیر صافی)

فرزند! خبردار، غیبت اور بہتان سے اپنے کو محفوظ رکھنا کہ ان کی وجہ سے نامۂ عمل نیکیوں سے خالی اور برائیوں سے پُر ہوجاتا ہے اور غیبت کرنے والے کی نیکیاں اس کی طرف منتقل ہوجاتی ہیں جس کی غیبت کی جاتی ہے اور اس کی برائیاں اس کی طرف آجاتی ہیں اور اس طرح یہ بالکل خالی ہاتھ ہوجاتا ہے۔

(مستدرک ج ۲، ص ۱۰۶)

حسد:

فرزند! حسد سے ہوشیار رہنا کہ حسد کرنے والے کا عمل چھٹے آسمان تک

کبھی نہیں پہنچتا اور راستے ہی سے اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے۔ دنیا اور آخرت دونوں میں پریشان رہتا ہے۔ دنیا میں اپنے حسد کی بناء پر اور آخرت میں عذاب الٰہی کی بناء پر۔

حسد کی برائی کے لیے یہ کافی ہے کہ شیطان حسد ہی کا مارا ہوا ہے۔ برادرانِ یوسفؑ کی ذلت و رسوائی حسد ہی کا نتیجہ تھی۔ (مجمع البیان ج ۵، ص ۲۱۱)

حسد کرنے والا کبھی سردار ہو نہیں سکتا۔ (مستدرک)

حسد ایمان کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔ خبردار! پروردگار کے افعال پر اعتراض نہ کرنا۔ یہ بھی نہ کہنا کہ ہوا کس قدر گرم یا سرد ہے یا کاش اس نے مجھے مالدار بنایا ہوتا۔ کاش مجھے شفا دے دی ہوتی۔ کاش لڑکی کی بجائے لڑکا دے دیا ہوتا۔ کاش میری اولاد، میرا مکان یا میری ملکیت باقی رہ جاتی۔ کاش ایسا ایسا ہوتا تو بہت بہتر ہوتا کہ ان سب کا مقصد مصالح خدا پر اعتراض کرنا ہے اور اس کا شمار مخفی شرک میں ہوتا ہے۔

فرزند! خبردار، اپنے لیے کسی برائی کو طلب نہ کرنا کہ پروردگار مجھے موت دے دے یا میری زندگی لے لے کہ یہ سب مصلحت خداوندی کے خلاف ہے۔ جناب یوسفؑ نے قید خانہ میں دعا کی کہ پروردگار مجھے یہ زندان کیوں دے دیا گیا ہے تو ارشاد ہوا کہ تم نے کہا تھا کہ ان کے ملک سے قید خانہ بہتر ہے۔ یہ کیوں نہ کہا کہ ان کی دعوت سے عافیت بہتر ہے۔ (تفسیر صافی ص ۲۲۴)

(یعنی انسان کو دعائے عافیت کرنی چاہیے اور اس کا طریقہ معین نہیں کرنا چاہیے۔ وہ پروردگار کی مصلحت پر ہے جس شے میں عافیت دیکھے گا، وہی عطا کرے گا۔ بندہ کو اعتراض یا شکایت کرنے کا حق نہیں ہے۔ جوادیؔ)

خبردار! کسی کے خوف سے معصیت اختیار نہ کرنا کہ معصیت ترک کر دینے ہی میں نجات اور عافیت ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جب یوسفؑ نے خوفِ خدا سے زلیخا سے دامن بچا لیا تو پروردگار نے انہیں ملک مصر عطا کر دیا۔

کذب:

فرزند! خبردار غلط بیانی سے کام نہ لینا کہ اس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور بندے کو ذلیل بنا دیتا ہے۔ جھوٹے کا دنیا میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔ اس کے اقوال و افعال کا بھروسہ نہیں رہ جاتا۔ حتی الامکان توریہ * سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اگرچہ یہ جھوٹ نہیں ہے لیکن تجربہ یہی کہتا ہے کہ نجات سچائی ہی میں ہے۔ اکثر اوقات یہ دیکھا گیا ہے کہ پروردگار نے سچ کے طفیل بڑے بڑے مصائب سے نجات دلا دی۔

طعن و طنز:

خبردار! کسی کو بُرے حالات کا طعنہ نہ دینا کہ ایسے آدمی کے اعمال اس کے منہ پر مار دیے جاتے ہیں۔ اور یہ اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں پروردگار اسے بھی ایسے ہی حالات میں مبتلا نہ کر دے۔ (وسائل ج ۱، ص ۷۳)

---

* توریہ کے معنی ایسے الفاظ کا استعمال کرنا ہے کہ سننے والا دوسرے معنی سمجھے اور کہنے والے کا منشا دوسرا ہو۔ مثال کے طور پر کوئی دروازہ پر آواز دے کر صاحب خانہ کے بارے میں دریافت کرے اور نوکر کہہ دے کہ یہاں نہیں ہیں کہ سننے والا "یہاں" کا مطلب پورا گھر سمجھے اور کہنے والا "یہاں" سے وہ جگہ مراد لے جس جگہ وہ خود کھڑا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک جگہ پر دو آدمی کھڑے نہیں ہو سکتے۔ (جوادی)

سنگدلی:

خبردار! ایسا کوئی عمل نہ کرنا جس سے سنگ دلی پیدا ہو کہ سنگدلی بدترین شے ہے۔

تکبر اور غرور:

خبردار! تکبر سے محفوظ رہنا کہ میں نے بار بار دیکھا ہے کہ پروردگار نے متکبرین کو ذلیل کیا ہے اور مغرورین کی ناک رگڑی ہے۔ غرور کا نتیجہ ناکامی، مایوسی، ذلت و رسوائی کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا۔

خدا ان متکبروں کو سخت ناپسند کرتا ہے جن کی چال میں اکڑ ہوتی ہے اور ایسے لوگوں پر زمین و آسمان لعنت کرتے ہیں۔ (وسائل ج ۲، ص ۴۷۲)

اکڑنے والا خیار سماوات و ارض اور خدا کا دشمن ہوتا ہے۔

(وسائل ج ۲، ص ۴۷۲)

یاد رکھنا کہ تکبر اور اکڑ سفاہت اور حماقت کا نتیجہ ہے ورنہ انسان کے پاس اکڑ کا سبب کیا ہے۔ وہ اپنے اوّل و آخر کو یاد کر لے تو ابتدا میں نطفۂ نجس تھا اور آخر میں مردار ہو جائے گا۔ تو اب تکبر اور اکڑ کی کیا وجہ ہے۔ (مستدرک ج ۲، ص ۳۳۰)

بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ انسان کے شکم میں پاخانہ کا وجود اس جذبۂ غرور کو مٹانے کے لیے ہے کہ جو اپنے ساتھ شکم میں غلاظت لیے پھرتا ہے وہ کس بات پر اکڑتا ہے۔ (فروع کافی ج ۳، ص ۷۰)

فرزند! خبردار غرور، اکڑ اور اس کے اسباب سے محفوظ رہنا۔ زمین پر خط دینے والا لباس نہ پہننا کہ اس سے غرور پیدا ہوتا ہے اور ایسا آدمی بوئے جنت سے بھی محروم رہتا ہے۔ (وسائل ص ۲۸۳)

ایسے شخص کی قبر جہنم کی طرف دھنس جاتی ہے اور اس کا حشر قارون کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ بھی زمین میں دھنس گیا تھا۔ (وسائل ج ۱، ص ۲۸۳)

دوسرے لوگ تعظیم کے لیے کھڑے ہوں اور تم بیٹھے رہو۔ یہ بھی غرور کا انداز ہے۔ پروردگار ایسے انسان کو اہلِ جہنم میں شمار کرتا ہے جو مغرورانہ انداز سے بیٹھا رہے اور لوگ اس کے گرد کھڑے رہیں۔ (جامع السعادات ج ۱، ص ۳۰۹)

ائمہ معصومینؑ نے غرور کا علاج پیوند دار لباس، کہنہ نعلین، گرد آلود چہرہ اور بازار سے سامان لانے، معمولی سواری پر سوار ہونا اور مساکین کی ہم نشینی کو قرار دیا ہے اور یہی طرزِ عمل اپنایا بھی ہے۔ (مستدرک ج ۲، ص ۳۲۹)

اللہ نے تکبر کرنے والوں سے نعمتیں سلب کر لی ہیں۔ شیطان کا انجام پیشِ نظر رہے وہ اس ایک تکبر کی وجہ سے نعمتِ قربِ الٰہی سے محروم ہوگیا لہٰذا خبردار اس جلاد سے محفوظ رہنا اور اس کے اسباب سے بھی اپنے کو بچائے رکھنا۔

تواضع وانکسار:

فرزند! خاکساری اختیار کرنا کہ اس میں خیر دنیا و آخرت ہے۔

"روایات میں ہے کہ تواضع سے بلندی حاصل ہوتی ہے۔"

(وسائل ج ۲، ص ۳۰۷)

تواضع میں شرف ہے۔ (مستدرک ج ۲، ص ۳۰۶)

تواضع سے حکمت آباد ہوتی ہے۔ (وسائل ج ۲، ص ۳۰۷)

تواضع خشوع، خوفِ خدا اور حیا و غیرت کی کھیتی ہے۔

(مستدرک ج ۲، ص ۳۰۶)

پروردگار تواضع کرنے والوں پر فخر کرتا ہے اور اس نے ہر انسان پر ایک

ملک کو معین کر کے اس کی پیشانی ملک کے قبضہ میں دے دی ہے کہ جب وہ اکڑ کر سر اٹھاتا ہے تو ملک جھکا دیتا ہے اور جب انکسار سے سر جھکاتا ہے تو ملک اسے سربلند کر دیتا ہے۔ (وسائل ج ۲، ص ۴۷۱)

اللہ نے موسیٰؑ کو ان کی تواضع و انکساری کی بناء پر کلیم بنا دیا تھا کہ انھوں نے خاک پر پیشانی رکھی تھی اللہ نے انہیں سب سے بلند کر دیا اور پورے زمانہ سے ممتاز کر دیا۔ فرزند! خبردار دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا کہ اس میں خالق کی توہین ہے۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جناب نوحؑ ایک خارش زدہ کتے کے قریب سے گزرے اور انہوں نے حقارت سے فرمایا کہ یہ کیسا کتا ہے تو وہ بحکم خدا گویا ہوا کہ خداوند عالم نے مجھے ایسا ہی بنایا ہے۔ اگر آپ کو پسند نہیں تو مجھے اس سے اچھا بنا دیجئے۔ جناب نوحؑ بے حد شرمندہ ہوئے اور اس ترکِ اولیٰ پر چالیس سال گریہ کرتے رہے جس کے بعد انہیں نوح کا خطاب ملا، حالانکہ ان کا نام عبدالجبار تھا۔ (مستدرک ج ۲، ص ۲۶۲)

اسی طرح جب حضرت موسیٰؑ سے کہا گیا کہ ایک ایسی مخلوق کو لے کر آؤ جس سے تم بہتر ہو تو وہ ایک خارش زدہ کتے کو لے کر چلے اور راستہ میں چھوڑ دیا تو مقام مناجات میں ارشاد ہوا کہ اگر تم اس کو لے کر آجاتے تو میں تمہارا نام دیوان نبوت سے محو کر دیتا کہ میرے مقربین کسی طرح کے غرور کا شکار نہیں ہوتے۔ بقول عارفین جب تک انسان میں یہ احساس رہے گا کہ وہ دنیا میں کسی ایک سے بھی بہتر ہے اس میں تکبر برقرار رہے گا۔ *

---

* کھلی ہوئی بات ہے کہ اس قسم کے واقعات درسِ اخلاق کی حیثیت رکھتے ہیں ورنہ کوئی نبی نہ مغرور ہو سکتا ہے اور نہ اس کا نام دیوانِ نبوت سے کٹ سکتا ہے۔ اللہ نے انبیاء کو ذریعہ بنایا ہے عام انسانوں کی اخلاقی تربیت اور کردار سازی کے لیے جیسا کہ اس سے پہلے جناب نوحؑ، جناب یعقوبؑ اور جناب یوسفؑ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔ (جوادی)

حرص:

فرزند! خبردار حرص اور لالچ سے محفوظ رہنا کہ جناب حوّا کو اسی راستہ سے سمجھایا گیا تھا کہ گندم استعمال نہ کریں ورنہ ان کے پاس جنت میں کس نعمت کی کمی تھی اور پھر انہوں نے یہی مسئلہ جناب آدمؑ کے سامنے رکھ دیا تھا۔

حرص سے پرہیز کرنے کی نصیحت خود شیطان نے بھی کی ہے۔ جناب نوحؑ سے کہا ہے کہ لالچ سے محفوظ رہنا اور خبردار کسی ایسی جگہ پر نہ رہنا جہاں نامحرم عورت تمہارے ساتھ ہو اور کوئی تیسرا نہ ہو ورنہ تیسرا میں ہو جاؤں گا۔

(مستدرک ج ۲، ص ۳۳۰)

خودپسندی:

خبردار! خود پسندی کا شکار نہ ہونا کہ یہ دین کے لیے فساد اور عمل کے لیے بربادی کا ذریعہ ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ جناب عیسیٰؑ کا ساتھی ان کے ساتھ بسم اللہ کہہ کر دریا پر چل پڑا اور جب درمیان میں یہ خیال آیا کہ اب میں بھی عیسیٰؑ جیسا ہوگیا ہوں تو وہیں ڈوبنے لگا اور فریاد کی: جناب عیسیٰؑ نے اسے سنبھال لیا اور سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ خود پسندی کا نتیجہ ہے۔ آپ نے توبہ کی تلقین کی۔ اس نے توبہ کی اور پھر کمال واپس آگیا کہ بسم اللہ کہہ کر پانی پر سے گزر جاتا تھا۔

(اصول کافی ج ۲، ص ۳۰۶)

ریاکاری:

فرزند! ریاکاری سے بچتے رہنا کہ یہ شرک کے مترادف ہے اور روایات میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص غیر خدا کو دکھانے کے لیے عمل کرتا ہے اللہ روزِ قیامت

اس کو اسی کے حوالے کردے گا۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۲۹۳)

ریاکار قیامت کے دن چار ناموں سے پکارا جائے گا۔ فاجر، کافر، غدار اور خسارت کار۔ اس کے اعمال برباد، اجر معطل اور اسے انجام کار اس کے حوالے کردیا جائے گا جس کے دکھانے کے لیے عمل انجام دیا تھا۔ (وسائل ج ۱، ص ۱۱)

بعض روایات میں ہے کہ انسان خدا کے لیے قلیل عمل کرتا ہے تو وہ بندوں میں کثیر بنا کر پیش کردیتا ہے اور بندوں کے لیے کثیر عمل انجام دیتا ہے تو وہ قلیل بنا دیتا ہے۔ چاہے رات بھر بیداری کیوں نہ رہا ہو اور اپنے جسم کو تھکا ہی کیوں نہ ڈالا ہو۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۲۱۶)

عقل بھی اس بات کو پسند نہیں کرتی کہ بظاہر خدا کی عبادت کی جائے اور واقعاً غیر اللہ کے لیے عمل کیا جائے۔ آخر انسان کی بندگی میں کیا فائدہ ہے اور وہ بیچارہ جو ایک مچھر کو اپنے سے دفع نہیں کرسکتا وہ کسی کو کیا دے سکتا ہے جو مکھی کی چھینی ہوئی شے کو واپس نہیں لے سکتا اس سے انسان کیا توقع رکھتا ہے اور اس کی رضامندی کے لیے عمل کر کے کیا حاصل کرنا چاہتا ہے۔

مایوسی:

فرزند! خبردار مایوسی کا شکار نہ ہونا کہ عذابِ خدا کی طرف سے اطمینان اور رحمتِ خدا سے مایوسی گناہ کبیرہ میں ہے اور اس سے خدا سخت ناراض ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں توہین پروردگار بھی ہے۔

میں نے بعض ایسے گناہگاروں کو دیکھا ہے کہ جہنم کے بارے میں شیطان صرف گناہگار بنا دینے پر راضی نہیں ہوا بلکہ انہیں رحمتِ خدا سے مایوس کر کے توبہ

سے بھی روک دیا اور نتیجہ میں وہ دہرے گناہ کے مرتکب ہو گئے۔ معصیت بھی کی اور رحمتِ خدا سے مایوس بھی ہوئے اور آخر میں توبہ واجب کو ترک کیا۔

توبہ:

فرزند! اگر شیطان تمہارے دل میں وسوسہ پیدا کر کے مخالفت پروردگار پر آمادہ بھی کر دے تو خبردار توبہ کو فراموش نہ کر دینا اور فی الفور توبہ کر لینا کہ توبہ گناہوں کو محو کر دیتی ہے۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۴۳۲) ہمیشہ توبہ کرتے رہو کہ خدا جانے کب کون سی خطا ہو جائے اور قدم پھسل جائیں۔

فرزند! یاد رکھو توبہ فقط استغفار کا نام نہیں ہے کہ انسان گناہ کرتا رہے اور استغفر اللہ کہتا رہے یہ توبہ نہیں ہے۔ یہ تو پروردگار کا مذاق اڑانا ہے۔ توبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس میں چھ چیزیں پائی جاتی ہوں۔

۱۔ گزشتہ پر ندامت

۲۔ آئندہ کے لیے عزم محکم کہ اب ایسا گناہ نہ کریں گے۔

۳۔ مخلوقین کے حقوق کی ادائیگی کہ مال ہے تو واپس کر دیا جائے اور غیبت وغیرہ ہے تو معافی طلب کر لی جائے۔

۴۔ جن فرائض میں کوتاہی ہو گئی ہے ان کی قضا کی جائے۔

۵۔ جو گوشت مال حرام سے پیدا ہوا ہے اسے حزن والم کے ذریعے گھٹا دیا جائے کہ کھال اور ہڈی رہ جائے اور پھر سے نشوونما ہو۔

۶۔ جتنی معصیت سے لذت حاصل کی ہے اتنی ہی اطاعت کی زحمت برداشت کی جائے۔ ان شرائط کے بعد توبہ مکمل ہوتی ہے اور اسے توبہ کاملہ کہا جاتا ہے۔

(نہج البلاغہ، وسائل ج ۲، ص ۴۸۲)

یاد رکھو کہ یہ پروردگار عالم کا امتِ پیغمبرؐ پر احسان ہے کہ اس توبہ و استغفار پر گناہوں کے بخشنے کا وعدہ کرلیا ہے ورنہ دورِ قدیم میں توبہ کا قانون اس قدر سخت تھا کہ آج انسانوں کے لیے ناقابلِ تصور ہے۔ امیرالمومنینؑ نے سورۂ بقرہ کی آخری آیات کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ پروردگار نے اس امت سے بہت سے بوجھ اٹھا لیے ہیں اور اس کا بوجھ بالکل ہلکا کردیا ہے ورنہ زمانۂ قدیم میں گناہ دروازے پر لکھ دیئے جاتے تھے۔ توبہ کے لیے ترکِ لذات ضروری تھا اور اس امت میں پردہ پوشی سے کام لیا جاتا ہے اور آب و غذا بھی حرام نہیں ہوتا۔ سابق امتوں میں پچاس، اسی اور سو سال توبہ کے بعد بھی ادنیٰ عتاب ضرور نازل ہوتا تھا اور اب مختصر توبہ پر بھی مستقل عذاب برطرف ہوجاتا ہے۔ چاہے انسان نے برسہابرس گناہ کئے ہوں۔*

(تفسیر صافی ص ۷۶)

پروردگار عالم نے اس امت کے لیے توبہ کا مسئلہ اتنا آسان کردیا ہے کہ روایت میں ہے کہ ایک شخص نے ۹۹ آدمیوں کو قتل کرکے ایک عابد و زاہد سے دریافت کیا کہ میری توبہ قبول ہوسکتی ہے؟ اس نے کہا: نہیں۔ اس نے اسے بھی تہہ تیغ کردیا۔ اور اب ایک عالم کے پاس پہنچا۔ اس نے کہا خدا ارحم الراحمین ہے۔ اب بھی توبہ قبول کرسکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ فلاں سرزمین پر ایک نبیٔ خدا ہے اس کے پاس جاکر توبہ کرو۔ یہ شخص نبیٔ خدا کی جستجو میں چلا۔ اثناء راہ انتقال ہوگیا تو مصلحت پروردگار نے ملائکۂ رحمت و عذاب دونوں بھیجے۔ ایک کا کہنا تھا کہ گناہگار ہے۔ دوسرے کا کہنا تھا کہ راہِ توبہ پر جا رہا تھا۔ ارشادِ قدرت ہوا کہ زمینِ معصیت اور زمینِ توبہ کی پیمائش کی جائے کہ یہ کس سے زیادہ قریب ہے۔ پیمائش کی گئی۔

---

* اس روایت میں بے شمار نعمتوں اور رحمتوں کا تذکرہ ہے۔ تفسیر صافی کا مطالعہ اس باب میں بے حد مفید ہوگا (جوادی)

زمینِ توبہ ایک بالشت کم نکلی۔ حکم خدا ہوا کہ ملائکہ رحمت اسے لے جائیں۔ اس لیے کہ یہ توبہ سے ایک بالشت زیادہ قریب ہو چکا تھا اور بعض روایات کی بناء پر خود پروردگار نے زمین توبہ کا فاصلہ کم کر دیا کہ ارادۂ توبہ ہی سب سے بڑی توبہ ہے۔

فرزند! یاد رکھو، پروردگار اپنے بندوں پر بیحد مہربان ہے۔ اس نے توبہ کا دروازہ کھلا رکھا ہے وہ توابین کو دوست رکھتا ہے۔ (وسائل ج ۲، ص ۴۷۲)

اور بعض روایات میں ہے کہ جب کوئی بندہ توبہ کرتا ہے تو خداوند اس شخص سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جسے شام کے وقت صبح کا کھویا ہوا جانور مل جائے اس لیے کہ جانور کا پلٹ آنا آسان ہے اور انسان کا توبہ کرنا مشکل ہے۔

(اصول کافی ج ۲، ص ۴۴۰)

توبہ میں عجلت:

فرزند! توبہ کرو۔ مسلسل توبہ کرو اور گناہ کے بعد فوراً توبہ کرو کہ معاملہ ہاتھ سے نکلنے نہ پائے اور عتابِ الٰہی نہ نازل ہونے پائے۔ خبردار توبہ میں سستی اور کاہلی نہ برتنا کہ اس تاخیر میں سخت آفتیں ہیں۔ شاید ملک الموت ہی آجائیں اور وقتِ توبہ نکل جائے۔

گناہ کا حساب ایک معمولی پودے کا ہوتا ہے کہ فی الفور اکھاڑ لیا تو اکھاڑ لیا ورنہ جڑ پکڑ لی تو اکھاڑنا مشکل ہو جائے گا۔ یہی حال گناہوں کا ہے کہ فوراً توبہ کر لی تو خیر ورنہ عادت پڑ گئی تو تاخیر ہی ہوتی رہے گی اور توبہ نصیب نہ ہوگی۔

روایات میں ہے کہ پروردگار گناہ کے بعد سات ساعت، نو ساعت یا ایک دن کی مہلت دیتا ہے اور اتنی دیر تک گناہ درج نہیں کئے جاتے۔ (وسائل) اس

کے بعد اگر توبہ نہیں کی تو گناہ ثبت کر دیئے جائیں گے اور توبہ بھی مشکل ہو جائے گی۔

توبہ سے طول عمر، وسعت رزق اور حُسن حال پیدا ہوتا ہے۔ خبردار، اس میں کوتاہی اور سستی نہ ہونے پائے کہ تمام نعمتوں سے محروم ہو جاؤ۔

تلخیٔ حالات پر صبر:

فرزند! اللہ تم کو رزق اور عفت عنایت فرمائے۔ ہمیشہ تلخی حالات میں صبر کو شعار بنائے رکھنا۔ مالک کائنات نے جناب موسیٰؑ سے ارشاد فرمایا تھا کہ جب بھی دنیا کو اپنی طرف آتے دیکھو تو کہو انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ ایک عذاب ہے جو آرہا ہے اور جب دنیا کو منہ پھیرتے دیکھو تو فقر کا استقبال کرو کہ صالحین کا یہ شعار ہے۔

(جامع السعادات ج ۲، ص ۷۲)

مرسل اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ فقیری قدرت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔ فقیری وہ نعمت ہے جسے اللہ مرسل اور مومن کریم کو عطا کرتا ہے۔

فقیری خدا کی طرف سے ایک کرامت ہے اور عزت ہے۔

(جامع السعادات ج ۲، ص ۸۲)

فقیری مومن کی زینت ہے۔ (جامع السعادات ج ۲، ص ۸۱)

اہلِ جنت کی اکثریت فقراء کی ہے۔ جنت میں سب سے کم تعداد مالداروں اور عورتوں کی ہوگی۔ انسان جتنا ایمان میں ترقی کرتا جاتا ہے اتنی ہی معیشت میں تنگی بڑھتی جاتی ہے۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۲۶۱)

انبیاء میں سب سے آخر میں جناب سلیمانؑ داخل ہوں گے کہ انہیں پوری مملکت کا حساب دینا ہوگا۔ فاقہ پر صبر ایک جہاد ہے۔ فاقہ ساٹھ سال کی عبادت

سے بہتر ہے۔ فقراء جنت میں اغنیاء سے پانچ سو سال پہلے داخل ہوں گے (جو آخرت کا آدھا دن ہوگا) جنت میں یاقوت کے ایسے کمرے ہوں گے جنہیں اہلِ جنت اسی طرح حیرت سے دیکھیں گے جس طرح اہلِ زمین ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ ان کمروں کے ساکن نبی اور مومن نادار ہوں گے۔ فقراء جنت کے بادشاہ ہیں۔ سارے انسان جنت کے مشتاق ہیں اور جنت فقیروں کی مشتاق ہے۔ فقراء جنت میں بلا حساب داخل ہوں گے۔ ان کی شفاعت ان تمام لوگوں کے بارے میں مقبول ہوگی جنہوں نے ان پر ایک گھونٹ پانی سے بھی احسان کیا ہے۔ فقیر پر صرف ہونے والا ایک درہم امیر کو دیے جانے والے ہزار درہم سے بہتر ہے۔ اللہ مردِ مومنِ فقیر سے اسی طرح پیش آئے گا جس طرح ایک مومن اپنے برادر مومن سے معذرت کرتا ہے یعنی منادی آواز دے گا۔ فقراء مومنین کہاں ہیں؟ تو کچھ لوگ سامنے آئیں گے اور پروردگار ارشاد فرمائے گا: میری عزت و جلال و بلندی و نعمت کی قسم ہم نے تم کو نعماتِ دنیا سے محروم اس لیے نہیں رکھا تھا کہ تم ہماری نگاہ میں ذلیل تھے، ہم نے تمہاری نعمتوں کو یہاں کے لیے ذخیرہ کیا تھا۔ دیکھو جس نے تمہارے ساتھ ایک گھونٹ پانی سے بھی احسان کیا ہے اسے اپنے ہمراہ جنت میں لے جا سکتے ہو۔

فرزند! یاد رہے کہ فقر ممدوح کے لیے بھی چند شرائط ہیں:

شرط اوّل: اس طرح باعفت رہے کہ لوگ اسے مالدار سمجھیں اور لوگوں سے اپنی غربت کا اظہار نہ کرے۔ اپنی ضرورت کی بلا ضرورت شکایت نہ کرے اور اگر دل تنگ ہوجائے تو معتبر دوست یا برادرِ مومن سے بیان کرے اور وہ بھی اس امید کے ساتھ کہ وہ ضرورت کو رفع کردے گا ورنہ حالات کا پوشیدہ رکھنا ہی بہتر ہے کہ اس طرح پروردگار پر رزق کی ذمہ داری پیدا ہوجاتی ہے ورنہ وہ اسی کے حوالے

کر دیتا ہے جس سے فریاد کی ہے اور لوگ اسے ذلیل بھی سمجھتے ہیں۔
(اصول کافی ج ۲، ص ۱۴۸)

جناب لقمانؑ نے اپنے فرزند کو نصیحت کی کہ بیٹا میں نے صبر کا مزہ بھی چکھا ہے اور درخت کی چھال بھی کھائی ہے لیکن فقیری سے زیادہ تلخی کسی شے میں نہیں ہے لہٰذا کسی دن بھی فقیری پیدا ہو جائے تو لوگوں سے بیان نہ کرنا ورنہ لوگ ذلیل کر دیں گے اور کام بھی نہ آئیں گے۔ ان حالات میں مالک کی طرف رجوع کرو۔ وہ حالات درست کرنے پر زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ کون ایسا ہے جس نے اس سے مانگا ہو اور اس نے نہ دیا ہو۔ کون ایسا ہے جس نے اس پر اعتماد کیا ہو اور اس نے مصیبت سے نجات نہ دلائی ہو۔ (وسائل ج ۲، ص ۵۴)

شرطِ دوم: قناعت ہے جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔

شرطِ سوم: صبر اور قضائے الٰہی پر رضا ہے جس کے بارے میں امام صادقؑ نے فرمایا ہے کہ جبریلؑ نے مرسلِ اعظم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ پروردگار نے آپ کو ایسا تحفہ بھیجا ہے جو کسی نبی کو نہیں دیا ہے اور وہ ہے صبر۔ پھر ایک تحفہ اس سے بہتر ہے اور وہ ہے قناعت۔ اور ایک تحفہ اس سے بھی افضل ہے اور وہ ہے رضا۔ رضا کے معنی یہ ہیں کہ مالک دنیا دے یا نہ دے بندہ بہرحال ناراض نہ ہو اور اپنے معمولی عمل سے بھی خوش نہ ہو بلکہ زیادہ سے زیادہ عمل کرتا رہے۔
(وسائل ج ۲، ص ۴۴۴)

فرزند! قضائے الٰہی پر راضی رہنا بہت بڑا شرف ہے جس کے لیے جہاد ضروری ہے۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے:

"جو شخص میری بلا پر صبر نہ کرے، میری قضا سے راضی نہ ہو وہ

میرے علاوہ کوئی دوسرا رب تلاش کر لے اور میرے زمین و آسمان سے نکل جائے۔" (منہاج النجاۃ کاشانی ص ۴۰)

دوسری روایت میں ہے جو رزقِ خدا پر راضی رہے گا، نہ ملنے پر بھی رنجیدہ نہ ہوگا اور جو شکوہ و فریاد کرے گا اسے کوئی نیکی نصیب نہ ہوگی بلکہ غضبِ خدا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ فرزند! رضائے الٰہی حاصل کرو اور نفس کو اس کے فیصلے پر مطمئن رکھو۔ خبردار اس سے ناراض نہ ہونا اور نہ اس کی شکایت کرنا۔

شرطِ چہارم: یہ ہے کہ حالت میں شکرِ خدا کرتا رہے۔ راحت ہو یا مصیبت وسعت ہو یا تنگی۔ پروردگار عالم نے قرآنِ مجید میں صبر کو شکر سے ملا کر رکھا ہے اور شاکر بندوں سے فضل و احسان کا وعدہ کرتے ہوئے کفرانِ نعمت پر عذابِ شدید سے ڈرایا ہے۔

شرطِ پنجم: یہ ہے کہ فقر و فاقہ کا مشتاق رہے اور اس کے فوائد کے پیشِ نظر اس کا استقبال کرے اور یہ دیکھے کہ پروردگار نے قارون جیسے دولت مند کو دھنسا دیا ہے اور عیسیٰؑ جیسے نادار پیغمبر کو آسمان پر اٹھا لیا ہے۔

شرطِ ششم: خدا پر اعتراض نہ کرے۔

شرطِ ہفتم: حرام اور شبہات سے پرہیز کرتا رہے اور فقر و فاقہ میں بھی حرام کا ارتکاب نہ کرے۔

شرطِ ہشتم: امر و نہی خداوندی کی اطاعت کرتا رہے اور فقر کی وجہ سے عبادت میں سستی نہ کرے۔ جس قدر ممکن ہو فاقہ میں بھی صدقہ دیتا رہے۔

شرطِ نہم: اغنیاء کے ساتھ نہ رہے اور دولت کی بناء پر ان کا احترام نہ

کرے ورنہ روایت میں ہے کہ جو شخص دولت مند کے گھر جا کر "دولت کی وجہ سے" اس کا احترام کرے گا اس کا ایک تہائی دین برباد ہو جائے گا۔ دوسری روایت میں نصف دین اور دو تہائی دین کا بھی ذکر ہے۔ (تفسیر صافی سورۂ حجر) اور جو شخص بھی مالدار کی دولت کے سامنے جھکے گا وہ جنت کا حقدار نہ ہوگا۔ بلکہ آسمانوں میں دشمنِ خدا رسول کے نام سے پکارا جائے گا۔ اس کی کوئی دعا قبول نہ ہوگی اور کوئی حاجت پوری نہ ہوگی۔

فرزند! اسبابِ فکر، اسبابِ رنج وغم، اسبابِ نسیان، اسبابِ نقصانِ عمر سے پرہیز کرتے ہوئے اسبابِ وسعتِ رزق وطول عمر پر عمل کرو۔

فرزند! خدا تمہیں مومنین میں قرار دے اور منافقین کے شر سے محفوظ رکھے۔ برادرِ مومن کے حقوق ادا کرتے رہو کہ دوسرے مومن پر حق ہے اور اس سے براءت ذمہ کا واحد راستہ حق کا ادا کر دینا یا معافی طلب کر لینا ہے ورنہ روز قیامت اس کا جواب دینا پڑے گا اور اس کے مطابق حشر ونشر کا فیصلہ ہوگا۔

فصل چہارم

طلبِ علم اور فضیلت طلبِ علم سے متعلق وصیتیں:

فرزند! خدا تمہیں اپنی مرضی حاصل کرنے کی توفیق دے اور تمہارے مستقبل کو ماضی سے بہتر قرار دے۔ میں تمہیں علم دین حاصل کرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ اس پر واجبات کے ادا کرنے اور محرمات سے بچنے کا دارومدار ہے اور اس کے علاوہ وہ خود ایک امر حسن و مستحسن و باشرف و بافضیلت ہے اور اس کا درجہ عظیم، منزل بلند قدر و قیمت جلیل اور بحکم عقل و نقل وہ ایک شرفِ عظیم ہے۔

عقل کا فیصلہ ہے کہ انسان وحیوان کے درمیان وجہِ امتیاز یہی علم ہے۔

تمام قابلِ تصور اشیاء کی دو قسمیں ہیں۔ قابلِ نمو اور جامد اور واضح ہے کہ نامی جامد سے بہتر ہے۔ پھر نامی کی بھی دو قسمیں ہیں حساس اور غیر حساس۔ اور واضح سی بات ہے کہ حساس کا مرتبہ غیر حساس سے بہتر ہے اور حساس کی بھی دو قسمیں ہیں عالم اور جاہل اور کھلی ہوئی بات ہے کہ عالم کا مرتبہ جاہل سے بہتر ہے اور اس طرح علم تمام معقولات اور قابلِ تصور امور میں سب سے عظیم درجہ کا مالک ہے۔

نقلیات میں سورۂ اقراء جو بقول اکثر مفسرین قرآن مجید کا پہلا تنزیلی سورہ ہے، اس میں اعلان ہوتا ہے کہ رب اکرم نے انسان کو خلق کرنے کے بعد تمام امور کی تعلیم دے دی ہے۔ اس طرح نعمتِ وجود کے بعد نعمتِ علم کا ذکر کیا گیا ہے جو دلیل ہے کہ علم کائنات کی سب سے عظیم نعمت ہے اور ربّ کریم نے انسان کو سب سے بڑا شرف یہی دیا کہ اسے علق سے علم تک پہنچا دیا ہے اس کے علاوہ ارشاد ہوتا ہے:

"کیا صاحبانِ علم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں، ہرگز نہیں۔ یہ نکتہ صاحبانِ عقل ہی سمجھ سکتے ہیں کہ علم کا مرتبہ جہل سے بالاتر ہے۔" (سورۂ زمر)

"جسے حکمت عطا کی گئی اسے خیر کثیر مل گیا۔ حکمت توفیق علم و عمل ہے۔"

(سورۂ بقرہ)

"بندوں میں اللہ سے ڈرنے والے صرف علماء ہیں۔" (سورۂ فاطر: ۲۸)

اس کے علاوہ مختلف آیات میں اہلِ علم کا تذکرہ اپنی ذات کے ساتھ کیا گیا ہے جو شرف و عظمت کی بہترین دلیل ہے۔ روایات میں بھی علم کے بیحد فضائل وارد ہوئے ہیں۔

عبداللہ بن میمون قداح نے امام جعفر صادقؑ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ جو شخص بھی دین کے راستے پر چلتا ہے خداوند کریم اسے جنت کے راستے پر لے جاتا ہے اور ملائکہ اس کے پیروں کے نیچے پَر بچھاتے ہیں۔ آسمان و زمین کی ہر مخلوق یہاں تک کہ ماہیانِ دریا بھی اس کے حق میں استغفار کرتی ہیں۔ عالم کا مرتبہ عابد کے مقابلے میں جیسے چودھویں کا چاند ستاروں کے مقابلے میں۔

علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ انبیاء اپنی وراثت کے لیے درہم و دینار کا انتظام نہیں کرتے * بلکہ علم کو وراثت قرار دیتے ہیں کہ جسے یہ میراث مل جائے تو اسے بہت کچھ مل گیا۔

---

* واضح رہے کہ روایت میں انبیاء کے اہتمام کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ درہم و دینار کو اپنی میراث نہیں بناتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ اگر ان کے مرنے پر درہم و دینار بچ جائیں تو ان کے ورثہ کے علاوہ کسی اور کو مل جائیں گے۔ وارث بنانا اور ہے اور وارث ہونا اور ہے۔ علم کے لیے وارث بناتے ہیں اور مال کے لیے وارث ہوتے ہیں چاہے دونوں ایک ہی ہوں یا الگ الگ۔

(جوادی)

اصبغ بن نباتہ نے امیر المومنینؑ سے نقل کیا ہے کہ علم حاصل کرو کہ اس کا پڑھنا نیکی ہے۔ مذاکرہ تسبیح ہے، بحث جہاد ہے اور تعلیم دینا ایک صدقہ ہے۔ علم صاحب علم کے لیے ذریعہ تقرب، وجہ معرفتِ حلال وحرام ہے اس کے ذریعہ جنت حاصل ہوتی ہے وہ انیسِ وحشت، مونس تنہائی، سلاحِ جنگ اور زینت احباب ہے اور پروردگار نے اس کے ذریعے افراد کو خیر کا قائد قرار دیا ہے کہ ان کے اعمال پر نگاہ رکھی جائے اور ان کے آثار کا اتباع کیا جائے۔ علم قلوب کی زندگی، آنکھوں کی بصارت، بدن کی قوت اور منازل ابرار تک جانے کا ذریعہ ہے، علم سے اللہ کی عبادت و اطاعت، معرفت و توحید حاصل ہوتی ہے۔ علم کے ذریعے صلہ رحم، معرفتِ حلال وحرام ہوتی ہے، علم عقل کا امام ہے اور عقل علم کی تابع علم نیک بختوں کے لیے الہام خداوندی ہے اور بد بختوں کی محرومی کا اظہار و اعلان ہے۔ (بحار الانوار ص ۵۴)

حسن بن ابی الحسن الفارسی نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "علم حاصل کرنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ اللہ طالبانِ علم کو دوست رکھتا ہے۔" (اصول کافی)

ابو اسحاق نے اپنے وسیلہ سے امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ ایہا الناس یاد رکھو دین کا کمال علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ طلب علم طلبِ مال سے زیادہ واجب ہے۔ مال مقدر اور مضمون ہے۔ اسے ایک عادل نے تقسیم کر کے اس کی ضمانت لے لی ہے وہ اپنے وعدے کو وفا کرے گا۔ علم صاحبانِ علم کے پاس ذخیرہ ہے وہ تمہیں حاصل کرنا پڑے گا۔ لہٰذا حکم خداوندی کے مطابق علم حاصل کرو۔ (اصول کافی)

ابو حمزہ ثمالی نے امام سجادؑ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

"اگر لوگوں کو طلب علم دین کا شرف معلوم ہوجائے تو جانیں دے کر اور دریاؤں میں گھس کر علم دین حاصل کرنے لگیں۔ پروردگار نے جناب دانیالؑ کی طرف وحی کی کہ بدترین بندہ، اہل علم کی توہین کرنے والا، ان کی اقتداء نہ کرنے والا اور محبوب ترین بندہ متقی، طالب ثواب، مصاحب علماء، تابع علماء اور حکماء سے اثر قبول کرنے والا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۳۵)

دوسری روایت میں ہے کہ

"جس عالم کے علم سے فائدہ اٹھایا جائے وہ ستر ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۳۳)

معاویہ بن عمار کی روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا کہ جو روایت کرنے والا آپ کی احادیث نشر کرے اور اسے مومنین کے قلوب میں ثبت کرے اور جو عابد یہ شان نہ رکھتا ہو اور ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا کہ ایسا با فضل راوی ہزار عابدوں سے بہتر ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۳۳)

رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ

"زندگی میں خیر صرف دو قسم کے لوگوں کے لیے ہے وہ عالم جس کی اطاعت کی جائے اور وہ سننے والا جو غور سے سنے اور حاصل کرے۔ (اصول کافی)

امام جعفر صادقؑ نے بشیر دہان سے فرمایا کہ

"میرے اصحاب میں جو شخص علم دین حاصل نہ کرے وہ لاخیرا ہے۔ بشیر، یاد رکھو جو شخص اپنے کو فقہ کے ذریعے بے نیاز نہ

بنائے گا وہ لوگوں کے علم کا محتاج ہوگا اور لوگ اسے لاعلمی میں
گمراہی کی طرف کھینچ لے جائیں گے۔ (کافی ج ۱، ص ۴۳)
سلیمان بن جعفر کی روایت میں امام جعفر صادقؑ سے نقل ہوا ہے کہ امیرالمومنینؑ نے فرمایا:

"عالم کا مرتبہ روزہ دار، قائم اللیل، مجاہد راہ خدا سے بہتر ہے۔
عالم کی موت سے اسلام میں وہ خلا پیدا ہوتا ہے جسے کوئی شے
پر نہیں کر سکتی۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۳۸)

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ

"ابلیس کی نظر میں عالم کی موت سے زیادہ محبوب کسی مومن کی
موت نہیں ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۳۸)

امام موسیٰ بن جعفرؑ کا ارشاد ہے کہ

"مومن کی موت پر آسمان کے ملائکہ، زمین کی تمام عبادت
گاہیں، اور آسمان کے تمام دروازے جن سے اس کے اعمال
بلند ہوتے تھے، سب گریہ کرتے ہیں اور اسلام میں ایک رخنہ
پیدا ہوجاتا ہے کہ علمائے مومنین اسلام کے قلعے ہیں جس طرح
شہر میں شہر پناہ کا قلعہ ہوتا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۳۸)

اس کے علاوہ بے شمار روایات ہیں جو حدیث کی تفصیلی کتابوں میں پائی جاتی ہیں لہٰذا فرزند خبردار یہ عظیم مرتبہ، یہ بلند ترین شرف، یہ ثواب جسیم، یہ اجر جزیل تمہارے ہاتھ سے جانے نہ پائے۔ خبردار مال دنیا کے چکر میں نہ پڑ جانا کہ اس کی وجہ سے علم دین کو ترک کردو بلکہ علم کے لیے فقر و فاقہ برداشت کرنے پر آمادہ رہو

کہ اس کے ذریعہ دائمی استغناء اور ابدی عزت نصیب ہوتی ہے۔ امر معاش میں دشواری ہو تو آخرت کی جزا اور اجرِ جمیل کو یاد کرو۔ اس کی وجہ سے تمام دشواریاں ہلکی ہو جائیں گی اور پھر یہ دیکھو کہ جن لوگوں نے علم دین کو ترک کر کے روزی کمانے کا راستہ اختیار کیا ہے وہی کون سے خوش اور مطمئن ہیں وہ تو دنیا و آخرت کی سعادت سے محروم ہیں تمہیں کم از کم سعادتِ آخرت تو ہاتھ آ گئی۔

اور دیکھو فرزند قناعت کو ساتھ رکھنا اور زینتِ دنیا کے چکر میں نہ پڑ جانا۔ اس دنیا نے فرزندِ رسولؐ امام حسینؑ کی قدر نہیں کی تو تمہاری کیا حقیقت ہے۔ اس نے جب امام حسینؑ پر یزید نحس کو مقدم کر دیا تو ایسی بے وفا اور منحوس دنیا سے دل لگانا شعارِ عقل و محبت کے خلاف ہے۔ ابن سینا جیسے فلسفی نے بھی اس کی شدید مذمت کی ہے اور یہ کہا ہے کہ اس کا نتیجہ ہمیشہ اخسِّ مقدمات کا تابع ہوتا ہے۔*

فرزند! خواہ علم میں جو بھی زحمت اور فقیری سامنے آئے اس سے بد دل نہ ہونا اور اپنا کام کیے جانا۔ یہ یاد رکھنا کہ یہ دارِ رنج و تعب ہے یہاں راحت کا تلاش کرنا غلط ہے۔ یہ دنیا تمہاری طرف متوجہ ہو گئی تو تمہیں آخرت سے بیگانہ کر دے گی۔ تقویٰ سے روک دے گی۔ مہملات کے فریب میں مبتلا کر دے گی اور دھوکہ میں ڈال کر اپنا سارا بوجھ تمہارے ذمہ ڈال دے گی۔ اس کا طالب ہمیشہ پریشان حال رہتا ہے اس کا حال جہنم جیسا ہے جہاں سے ہمیشہ ھل من مزید کی آواز آتی رہتی ہے اور کسی کا پیٹ کبھی نہیں بھرتا۔ اس سے نجات کا ایک ہی راستہ ہے کہ آخرت سے دل لگاؤ پھر کوئی پریشانی، اضطراب اور رنج و غم باقی نہ رہ جائے گا۔

فرزند! میری جان کی قسم، ترکِ دنیا میں وہ لذّت ہے جس کا ہزاروں

---

* یہ ایک منطقی قانون ہے کہ مقدمات میں جو مقدمہ سب سے کمزور ہوتا ہے نتیجہ اسی کا تابع ہوا کرتا ہے۔ (جوادی)

حصہ بھی وہ شخص محسوس نہیں کر سکتا جو دنیا سے دل لگائے ہوئے ہے اور اس کی محبت میں ڈوبا ہوا ہے مگر یاد رکھنا کہ ترکِ دنیا سے مراد نام نہاد صوفیت اور اظہار زہد یا ترکِ لذات اور تمام مال کا لٹا دینا نہیں ہے۔ یہ امور تو شریعت میں ناپسندیدہ ہیں۔ ترکِ دنیا سے مراد اس سے دل نہ لگانا، اس کی لذتوں کا عاشق نہ ہونا اور جو کچھ ہاتھ میں ہے اس پر خدا سے زیادہ بھروسہ نہ کرنا اور رضائے الٰہی پر راضی رہنا ہے جس کی طرف عبداللہ بن ابی یعفور کی روایت صحیحہ میں اشارہ کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؑ سے عرض کی کہ میں دنیا سے محبت کرتا ہوں کہ وہ مجھے مل جائے۔ فرمایا: اس قدرت محبت ہے، مل جائے تو کیا کرو گے؟ عرض کی اپنے اوپر اور اپنے عیال پر خرچ کروں گا۔ راہِ خدا میں صدقہ دوں گا۔ حج وعمرہ کروں گا۔ فرمایا: یہ طلبِ دنیا نہیں طلبِ آخرت ہے۔ (وسائل ج ۲، ص ۵۳۰)

مطالعہ احادیث ومواعظ:

فرزند! خدا تمہیں دنیا و آخرت کی نیکی نصیب کرے۔ دیکھو طلبِ علم میں نیت صاف رکھنا، دل دنیوی اغراض سے پاک اور نفس قوت عمل میں کمال کی طرف مائل رہے۔ رذائل سے اجتناب کرو۔ اخلاقی فضائل کو اختیار کرو۔ قوتِ شہوت اور غضب کو قابو میں رکھو اور امام جعفر صادقؑ کے ارشاد پر نظر رکھو کہ "جو شخص بھی علم حاصل کرکے اس پر عمل کرے گا اور دوسروں کو تعلیم دے گا وہ آسمانوں میں عظیم پکارا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ اس نے خدا کے لیے سیکھا، خدا کے لیے سکھایا ہے۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۳۵)

عباد بن صہیب بصری نے امام جعفر صادقؑ کا یہ قول نقل کیا ہے

کہ " طالب علم کی تین قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جو جہالت اور جھگڑے کے لیے علم حاصل کرتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو غرور اور فریب کے لیے علم حاصل کرتی ہے اور تیسری قسم فقہ و عقل کے لیے حاصل کرنے والی ہے۔ صاحب جہالت موذی اور محفلوں میں فقط بات کرنے والا ہے۔ علم کے تذکرے کرتا ہے۔ علم کا انداز اختیار کر کے خشوع کا لباس پہنے ہوئے ہے اور اندر سے تقویٰ سے بالکل خالی ہے۔ اللہ اس کی ناک رگڑ دے گا۔ اور اس کی کمر توڑ دے گا۔ طالب رفعت و فریب لوگوں سے اونچا ہونا چاہتا ہے۔ مالداروں کے سامنے تواضع اختیار کرتا ہے، ان کا حلوہ کھاتا ہے اور ان کے دین کو برباد کرتا ہے۔ اللہ نے اس کا رشتہ اہلِ علم سے قطع کر دیا ہے اور یہ بالکل اندھا ہو گیا ہے۔ البتہ صاحب عقل و فقہ و فہم وہ ہے جو ہمیشہ رنجیدہ و پریشان اور فکرِ آخرت میں سرگرداں رہتا ہے۔ رات کی تاریکیوں میں عمل کرتا ہے اور لرزتا رہتا ہے۔ اہلِ زمانہ کو پہچانتا ہے۔ قریب ترین برادر سے بھی مانوس نہیں ہوتا۔ اللہ نے اس کے ارکان کو مضبوط کر دیا ہے اور قیامت کے دن اس کے نام امان لکھ دی ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۴۹)

سلیم بن قیس نے امیرالمومنینؑ کے حوالے سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ

" دو پیاسے کبھی سیراب نہیں ہو سکتے۔ طالب دنیا اور طالب علم۔

لہٰذا جو شخص بھی دنیا میں حلال پر اکتفا کرے گا۔ وہ سلامت رہے گا ورنہ ہلاک ہوجائے گا جب تک توبہ و رجوع نہ کرے اور جو شخص بھی علم کو اس کے اہل سے حاصل کرکے اس پر عمل کرے گا وہ نجات یافتہ ہوگا ورنہ فقط تحصیلِ دنیا کا ارادہ ہے تو وہی ہاتھ آئے گی اور آدمی محروم ہی رہے گا۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۹)

ابو خدیجہ نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ

"جو شخص حدیث کا طلبگار منفعتِ دنیا کے لیے رہتا ہے وہ آخرت سے محروم رہتا ہے اور جو خیرِ آخرت کا طلبگار ہوتا ہے وہ دنیا و آخرت دونوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۴۶)

حفص بن غیاث نے امام جعفر صادقؑ کا قول نقل کیا ہے کہ

"عالم کو دنیا کی طرف متوجہ دیکھو تو اپنے دین کے بارے میں اس سے ہوشیار رہو۔ اس لیے کہ ہر دوست اپنے محبوب کی فکر میں رہتا ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ

"اللہ نے جناب داؤدؑ کی طرف وحی کی کہ خبردار، میرے اور اپنے درمیان کسی فریفتۂ دنیا عالم کو واسطہ نہ قرار دینا کہ وہ تمہیں راہِ محبت سے ہٹا دے گا۔ ایسے لوگ رہزن ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ میرا کم ترین سلوک یہ ہوگا کہ میں ان کے دل سے اپنی مناجات کی لذت سلب کرلوں گا۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۴۶)

سکونی نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"فقہاء مرسلین کے امین ہیں۔ جب تک دنیا میں داخل نہ ہوجائیں۔ پوچھا گیا یا رسول اللہؐ یہ دنیا میں داخلہ کیسا ہوگا؟ فرمایا: بادشاہوں کا اتباع کرنا اور جب ایسا کریں تو ان سے اپنے دین کے بارے میں ہوشیار رہنا۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۶)

ربعی بن عبداللہ نے اپنے واسطے سے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ

"جو شخص بھی علم دین، علماء سے مقابلہ، سفہاء سے مجادلہ اور عوام کی توجہ جذب کرنے کی غرض سے حاصل کرتا ہے وہ روزِ قیامت جہنم میں ہوگا اور ریاست تو صرف اہلِ ریاست کا حق ہے۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۷)

فرزند! خبردار علم کے بعد گناہ نہ کرنا کہ عالم پر حجت پروردگار زیادہ شدید و اکید ہے توبہ صرف جاہلوں کی قبول ہوتی ہے جو غلطی سے گناہ کر بیٹھتے ہیں عالم کے لیے نہیں۔ (سورۂ نساء)

امام جعفر صادقؑ نے ابن غیاث سے فرمایا کہ اللہ جاہل کے ستر گناہ بخش دیتا ہے قبل اس کے کہ عالم کا ایک گناہ بخش دے۔* (اصول کافی ج ۱، ص ۴۷)

فرزند: جب بھی علم حاصل کرنا تو صالح، نیک کردار اور پرہیزگار استاد تلاش

---

* اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر انسان بخشش کے خیال سے جاہل ہی رہ جائے۔ اس لیے کہ قصداً علم دین حاصل نہ کرنا خود ایک گناہ اور معصیت ہے۔ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو حالات کی بناء پر علم حاصل نہیں کر سکتے اور ان کی رسائی اہل علم تک نہیں ہو سکی۔ (جوادی)

کرنا اس لیے کہ غیر متقی سے ہر وقت دین کو خطرہ رہتا ہے۔ اس لیے امام جعفر صادقؑ نے پروردگار کے ارشاد "انسان کو اپنے طعام پر غور کرنا چاہیے" کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اس سے مراد علم ہے جہاں انسان کو ہر وقت نگاہ رکھنی چاہیے کہ کس سے حاصل کر رہا ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۵۰)

فرزند! شہید ثانی علیہ الرحمہ کی کتاب "منیۃ المرید" کا مطالعہ کرو۔ اس میں استاد و شاگرد کے آداب کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے اور آداب کے بغیر کوئی عمل قابل تعریف نہیں ہوتا۔ علماء کا احترام کرو، ان کی تعظیم کرو خصوصیت سے جو تمہارے استاد ہوں ان کا زیادہ احترام کرو کہ استاد باپ کے برابر ہوتا ہے۔

(اثنا عشریہ ص ۸۱)

ثابت بن دینار ثمالی نے امام سجادؑ سے نقل کیا ہے کہ جو علم میں تمہاری رہبری کرے اس کا حق ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے، اس کی نشست کی توقیر کی جائے۔ توجہ سے اس کی بات سنی جائے اور اس کی طرف سراپا توجہ رہا جائے۔ اس کی آواز پر آواز بلند نہ کی جائے، اس سے سوال کیا جائے تو اس سے پہلے جواب دینے کی کوشش نہ کی جائے۔ اس کی مجلس میں کسی کی بات نہ کی جائے، کسی کی غیبت نہ کی جائے، اس کی برائی کی جائے تو اس کی طرف سے دفاع کیا جائے۔ اس کے عیوب پر پردہ ڈالا جائے اور اس کے مناقب کا اعلان کیا جائے۔ اس کے دشمن کا ہم نشین نہ بنے۔ اس کے دوست سے دشمنی نہ کرے۔ ان سب کی پابندی کرے گا تو ملائکہ بھی گواہی دیں گے کہ خدا کے لیے علم حاصل کیا ہے، لوگوں کے لیے نہیں۔

شاگرد کا حق یہ ہے کہ یہ خیال رکھا جائے کہ اللہ نے تمہیں اس کا نگران قرار دیا ہے اور اس کے لیے تمہارے خزانے کھول دیئے ہیں۔ اب اگر تم نے تعلیم

میں اچھا برتاؤ کیا جھڑکا نہیں ، ڈانٹا نہیں تو خدا مزید عنایت کرے گا ورنہ اگر تعلیم دینے سے انکار کر دیا یا ان کی طلب کو ٹھکرا دیا تو خدا پر فرض ہو جائے گا کہ تم سے علم کی رونق سلب کر لے اور لوگوں کے دلوں سے تمہارے مرتبہ کو ساقط کر دے۔

(بحار الانوار ج ۵ ، ص ۶۴)

سلیمان بن جعفر جعفری نے امام جعفر صادقؑ کے حوالہ سے امیر المومنینؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"عالم کا حق یہ ہے کہ اس سے زیادہ سوال نہ کرو۔ اس کا کپڑا نہ کھینچو ، اور محفل میں اس کے پاس وارد ہو تو اجتماعی کے علاوہ اسے خصوصی سلام کرو۔ اس کے سامنے بیٹھو ، پیچھے نہ بیٹھو۔ آنکھوں اور ہاتھوں سے اِدھر اُدھر اشارہ نہ کرو ، زیادہ باتیں نہ کرو ، اس کے مقابلے میں دوسرے اقوال کا تذکرہ نہ کرو۔ زیادہ دیر بیٹھ کر اسے پریشان نہ کرو ، اس کی مثال ایک درخت خرما کی ہے جس کے پاس بیٹھنے والا خاموشی سے پھلوں کا انتظار کرتا رہتا ہے اور جو مل جاتا ہے ، لے لیتا ہے۔"

(اصول کافی ج ۱ ، ص ۳۷)

فرزند خدا تمہیں علمائے دین میں قرار دے۔ جو بھی علم حاصل کیا ہے اس پر عمل کرو۔ علم کی محبوبیت عمل کی وجہ سے ہے ورنہ عالم بلا عمل مثل شجر بلا ثمر کے ہے۔

خبردار ، عمل ترک نہ کرنا کہ ایسا علم وبال بن کر رہ جائے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ تمام بندوں پر عمل کی ذمہ داری ہے لیکن عالم پر یہ ذمہ داری شدید ہے اور اسی لیے ازواج پیغمبرؐ میں اطاعت گزار بیویوں کا اجر زیادہ ہے اور گنہگاروں کا

عذاب بھی زیادہ ہے کہ حالات کے اعتبار سے ثواب وعتاب میں فرق پیدا ہوجاتا ہے۔

سُلیم بن قیس کی روایت میں امیرالمومنینؑ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ علماء دو طرح کے ہیں بعض اپنے علم پر عمل کرتے ہیں اور نجات یافتہ ہیں اور بعض بے عمل ہیں اور یہ ہلاک ہونے والے ہیں۔ اہلِ جہنم بے عمل عالم کی بدبو سے پریشان ہوں گے۔ بدبخت ترین انسان روزِ قیامت وہ عالم ہے جس کی دعوت وتبلیغ پر لوگ عمل کرکے جنت میں چلے جائیں گے اور وہ خود بے عملی کی بناء پر داخلِ جہنم ہوجائے گا۔ خبردار خواہشوں کے اتباع اور امیدوں کے طول سے ہوشیار رہنا کہ خواہشات کا اتباع حق سے روک دیتا ہے اور لمبی امیدیں آخرت کو فراموش کرادیتی ہیں۔ (اصول کافی)

اسماعیل بن جابر کی روایت میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ

"علم، عمل کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ جو علم حاصل کرے اسے عمل بھی کرنا چاہیے اور جو عمل کرے اسے صاحبِ علم ہونا چاہیے۔ علم، عمل کے نام پر آواز دیتا ہے اور عمل نہیں ہوتا تو چل دیتا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۴۴)

عبداللہ بن القسم الجعفری امام جعفر صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ

"جو عالم اپنے علم پر عمل نہیں کرتا، اس کا موعظہ اسی طرح دلوں سے پھسل جاتا ہے جس طرح صاف چٹان سے پانی بہہ کر نکل جاتا ہے۔"

ابن علی ہاشم بن برید کہتے ہیں کہ ایک شخص امام سجادؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے چند مسائل دریافت کیے۔ حضر- نے جوا دیا پھر مزید سوال کا

ارادہ کیا تو آپ نے فرمایا کہ انجیل میں لکھا ہوا ہے کہ جس چیز کا علم نہیں ہے اس کا علم حاصل کرنے سے پہلے جس کا علم ہے اس پر عمل کرو۔ علم بے عمل ہو جائے تو موجب کفر ہو جاتا ہے اور صاحب علم خدا سے دور تر ہو جاتا ہے۔

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۴)

امیر المومنینؑ کے بعض خطبوں میں مذکور ہے کہ

"اپنے علم پر عمل کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔ عالم بے عمل اس جاہل کے مانند ہے جو جہالت سے نجات نہیں پاتا اور اسی میں حیران و سرگردان رہتا ہے بلکہ اس کے خلاف حجت پروردگار زیادہ شدید ہے اور اس کی حسرت و ندامت بھی زیادہ ہے۔ ایسا عالم اور جاہل دونوں ہلاک و برباد ہیں لہٰذا خبردار شک و شبہ پیدا نہ کرنا ورنہ کافر ہو جاؤ گے اور حق کے معاملے میں سستی نہ برتو ورنہ گھاٹے میں رہو گے۔ حق یہ ہے کہ علم دین حاصل کرو اور علم دین یہ ہے کہ دھوکہ نہ کھاؤ۔ اپنے نفس کو نصیحت کرو کہ رب کی اطاعت کرے۔ نفس کو دھوکہ نہ دو کہ یہ معصیتِ پروردگار ہے۔ اطاعتِ خدا کرنے والا مامون و مسرور رہتا ہے اور معصیت کرنے والا خائب و خاسر ہوتا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۴۰)

عبداللہ بن میمون بن قداح نے امام جعفر صادقؑ کے ذریعے ان کے بزرگوں سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا کہ یا رسول اللہ علم کیا چیز ہے؟ فرمایا: خاموشی۔ پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا: توجہ سے سماعت۔ عرض کی: اس کے بعد؟ فرمایا: حفظ۔ عرض کی: اس کے بعد؟ فرمایا:

عمل۔ سوال کیا: اس کے بعد؟ فرمایا: نشر و اشاعت۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۴۸)

حرث بن مغیرہ نے إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ کی تفسیر میں امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ "عالم وہی ہے جس کا عمل اس کے قول کی تصدیق کرے ورنہ قول و فعل میں فرق ہو جائے تو انسان عالم نہیں ہے۔"

فرزند! دیکھا تم نے کہ حضرت نے عالم بے عمل کو علم ہی سے برخاست کردیا ہے۔ اور اسے عالم ہی تسلیم نہیں کیا ہے لہٰذا خبردار عمل کا دامن ہاتھ سے نہ جانے پائے ورنہ علم کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

فرزند! علمائے اسلام کے مذکورہ صفات سے لگاؤ پیدا کرو کہ امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ

"علم حاصل کرو اپنے آپ کو علم سے آراستہ کرو جسے علم دو اس سے بھی تواضع برتو اور جس سے علم لو اس کے سامنے بھی متواضع رہو۔ خبردار! عالم جابر نہ بن جانا کہ اس طرح باطل حق کو ضائع اور برباد کرتا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۳۶)

صحیحۂ حلبی میں امام جعفر صادقؑ نے امیرالمومنینؑ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

"میں تمہیں حقیقی فقیہ سے باخبر کرنا چاہتا ہوں۔ حقیقی فقیہ اور عالم دین وہ ہے جو لوگوں کو رحمتِ خدا سے مایوس نہ کرے اور انہیں عذابِ خدا کی طرف سے مطمئن نہ بنا دے۔ معصیت کی اجازت نہ دے۔ اور قرآن کو چھوڑ کر کوئی دوسری شے اختیار نہ کرے۔ ایسے علم میں خیر نہیں ہے جس میں فہم نہ ہو اور ایسی قرأ میں کوئی خوبی نہیں جس میں غو فکر۔ ایسی عبا

بے کار ہے جس میں علم دین شامل نہ ہو اور ایسے اعمال بے فیض ہیں جن میں خوف خدا کا دخل نہ ہو۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۳۶)

معاویہ بن وہب نے امام جعفر صادقؑ کے حوالے سے امیرالمومنینؑ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ

"اے طالبعلم، علم کی تین نشانیاں ہیں علم، حلم، خاموشی۔ اور خود ساختہ عالم کی بھی تین علامتیں ہیں۔ اپنے سے اونچے سے معصیت کے ذریعہ جھگڑا کرنا۔ اپنے سے کم تر پر غلبہ پیدا کر کے ظلم کرنا اور ظالموں کی مدد کرنا۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۳۷)

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا ہے کہ

"عالم کے دل میں جہالت اور فریب کا گزر نہیں ہو سکتا۔"

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے امیرالمومنینؑ کا یہ ارشاد سنا ہے کہ

"اے طالب علم یاد رکھ کہ علم کے بہت سے فضائل ہیں۔ اس کا سر تواضع ہے۔ اس کی آنکھیں حسد سے بیزاری ہیں، اس کا کان فہم ہے۔ اس کی زبان صداقت ہے۔ اس کا حافظہ جستجو ہے۔ اس کا قلب حسنِ نیت ہے۔ اس کی عقل معرفت اشیاء و امور ہے۔ اس کے ہاتھ رحمت ہیں۔ اس کے پیر زیارتِ علماء ہیں۔ اس کی ہمت سلامتی ہے۔ اس کی حکمت تقویٰ ہے۔ اس

کا مرکز نجات ہے۔ اس کا فائدہ عافیت ہے۔ اس کا مرکب وفا ہے۔ اس کا اسلحہ نرم کلامی ہے۔ اس کی تلوار رضا ہے۔ اس کی کمان مدارات ہے۔ اس کا لشکر مباحثہ ہے۔ اس کا مال ادب ہے۔ اس کا ذخیرہ گناہوں سے اجتناب ہے۔ اس کا زادِ راہ نیکی ہے۔ اس کی پناہ باہمی تعلقات ہیں۔ اس کی دلیل ہدایت ہے۔ اس کی رفیق نیکوں کی محبت ہے۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۵)

مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"ایمان کا بہترین وزیر علم ہے اور علم کا بہترین وزیر حلم ہے اور حلم کا بہترین وزیر نرمی ہے اور نرمی کا بہترین وزیر صبر ہے۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۸)

فرزند خبردار کوئی بات بغیر علم کے نہ کہنا کہ امام جعفر صادقؑ نے مفضل سے فرمایا ہے کہ

"دو خصلتوں سے ہوشیار رہنا، اسی میں انسانوں کی ہلاکت ہے۔ باطل کے ذریعے دینداری اور علم کے بغیر فتویٰ۔"

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ

"جو شخص علم اور ہدایت کے بغیر فتویٰ دے گا اس پر ملائکہ رحمت اور ملائکہ عذاب دونوں لعنت کریں گے اور اس کے ذمہ تمام عمل کرنے والوں کا عذاب ہوگا۔" (اصول کافی)

مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"جو ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہ کو پہچانے بغیر فتویٰ دے گا وہ خود بھی ہلاک ہوگا اور دوسروں کو بھی ہلاک کر دے گا۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۲)

فرزند! یاد رکھو جو بات معلوم نہیں اس کے بارے میں صاف کہہ دو کہ معلوم نہیں ہے۔ اللہ اعلم نہ کہو۔ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ہے کہ

"اللہ اعلم" کہنے سے سننے والے کے دل میں شبہ پیدا ہوجاتا ہے کہ شاید جانتے ہیں جبکہ "نہیں معلوم ہے" سے بات واضح ہوجاتی ہے کہ دیانتداری سے کام لے رہا ہے۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۲)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ

"عالم کو مسئلہ نہیں معلوم ہے تو اللہ اعلم کہہ سکتا ہے لیکن جاہل کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے۔ (اس لیے کہ اس میں جستجو ہی کی صلاحیت نہیں ہے تو اسے صاف اقرار جہل کرنا چاہیے)۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۲)

ایک مقام پر فرمایا کہ جس حکم کو نہیں جانتے ہو اس کے بارے میں سکوت اور احتیاط سے کام لو اور صاحبانِ عصمت کی طرف رجوع کرو تاکہ وہ سیدھے راستے پر چلائیں اور تاریکیوں کو دور کریں اور حق کو واضح کردیں۔ پروردگار کا حکم ہے:

"جو نہیں جانتے ہو اس کے بارے میں اہلِ ذکر اور علماء سے دریافت کرو۔" (سورہ نحل: آیت ۴۳)

فرزند! خبردار علم کے بغیر عمل نہ کرنا کہ اس طرح انسان غلط راستے پر چلا جاتا ہے اور جتنا آگے بڑھتا جاتا ہے حق سے گمراہ ہوتا جاتا ہے۔ (اصول کافی)

مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ

"بغیر علم کے عمل کرنے والا اصلاح سے زیادہ فساد برپا کرتا ہے۔"

فرزند! علمائے عاملین سے محبت کرو، ان کے ساتھ رہو۔ اللہ ہر محبت کرنے والے کو محبوب کے ساتھ محشور کرتا ہے اور جو جس قوم کے عمل کو پسند کرتا ہے اسے اس کے عمل میں شریک قرار دے دیتا ہے۔ (تفسیر صافی ص ۵۶)

امام جعفر صادقؑ نے ابوحمزہ ثمالی سے فرمایا کہ

"عالم بنو یا متعلم بنو یا علم دوست بنو کہ علماء کی دشمنی میں ہلاکت ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۳۴)

امام سجادؑ کی یہ روایت مشہور ہے کہ

"ثواب کا طلبگار، علماء کا ہم نشین اور پرہیزگار انسان اللہ کا محبوب ترین بندہ ہے۔"

فرزند! علم کو اس کے اہل کے حوالے ضرور کرو کہ تعلیم دینا ہی علم کی زکوۃ ہے۔ (اصول کافی)

پروردگار نے جاہلوں سے طلب علم کا عہد اسی وقت لیا ہے جب عالموں سے تعلیم دینے کا عہد لے لیا ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۴۱)

جنابِ عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ خبردار جاہلوں سے حکمت کی بات نہ کرنا کہ یہ حکمت پر ظلم ہے اور صاحبانِ صلاحیت سے حکمت کو

محفوظ نہ رکھنا کہ ان پر ظلم ہے۔ فرزند! خدا تمہیں زندہ رکھے اور اپنی مرضی کی توفیق کرامت فرمائے۔ خبردار تمام علوم کے حاصل کرنے میں صرف مقدار ضرورت ہی پر اکتفا کرنا اور باقی وقت صرف علم فقہ کے حاصل کرنے میں صرف کرنا کہ علم کی محبوبیت کا راز عمل ہے اور عمل کا تعلق فقہ سے ہے اور فقہ سے ہی اوامر و نواہی پروردگار کا علم ہوتا ہے اور احکام الٰہیہ ہی کائنات میں اشرف معلومات ہیں انہی سے امورِ معاش و معاد کی تنظیم ہوتی ہے۔ اور انہی سے کمال انسانیت حاصل ہوتا ہے۔

صاحب معالم الاصول نے بہت خوب فرمایا ہے کہ

"اللہ نے تمام محکم افعال کسی غرض و غایت کے تحت انجام دیئے ہیں، اور انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے تو اس کی خلقت کی غرض و غایت بھی تمام اغراض سے اشرف ہوگی اور ظاہر ہے کہ یہ غرض بندوں کو نقصان پہنچانا نہیں ہو سکتا کہ یہ کام جاہل اور محتاج کا ہوتا ہے اور خداوندِ عالم، عالم اور مستغنی ہے لہٰذا غرض خلقت بندوں کا فائدہ پہنچانا ہے اور دنیاوی فوائد حقیقتاً فوائد نہیں ہیں۔ یہ نقصانات کو رفع کرنے کا نام ہیں۔ فائدہ تو اسے شاذ و نادر ہی کہا جاتا ہے اور ایسی چیز غرض خلقت نہیں بن سکتی لہٰذا غرض فائدہ آخرت ہے اور یہ وہ بہترین فائدہ ہے جو ہر کس و ناکس کو حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے لیے استحقاق ضروری ہے اور استحقاق عمل سے پیدا ہوتا ہے اور عمل، علم سے پیدا ہوتا ہے لہٰذا اس عظیم فائدہ آخرت کی تحصیل کے لیے علم لازم ہے اور جو علم اس عظیم فائدہ تک پہنچا دے اس سے عظیم کوئی علم نہیں ہے

اور اسی لیے امام جعفر صادقؑ نے ابان بن تغلب سے فرمایا تھا

کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں اپنے اصحاب کو کوڑوں سے ماروں

تاکہ یہ علم دین حاصل کریں۔" (معالم الاصول ص ۲۰، ۲۱)

علی بن حمزہ کی روایت میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ "علم دین حاصل کرو۔ علم دین حاصل نہ کرنے والا گنوار اور دیہاتی ہے۔ پروردگار نے علم دین کی تحصیل کو واجب قرار دیا ہے اور پھر قوم میں انداز و تبلیغ کو بھی ضروری قرار دیا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۳۱)

مفضل بن عمر کی روایت میں امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ جو شخص بھی علم دین حاصل نہ کرے گا وہ روز قیامت نگاہ رحمت پروردگار کا حقدار نہ ہوگا۔ اور اس کے اعمال طیب و طاہر نہ ہوں گے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۳۳)

ابراہیم بن عبدالحمید امام موسیٰ کاظمؑ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ مرسل اعظم ﷺ ایک مسجد میں داخل ہوئے دیکھا کہ ایک جماعت ایک شخص کو گھیرے بیٹھی ہے۔ فرمایا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے کہا: یہ علامہ ہے۔ فرمایا: علامہ کیا ہوتا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ انساب عرب وقائع عرب اشعار عرب اور ایام جاہلیت کا علم ہے۔ آپ نے فرمایا: ہوشیار! یہ وہ علم ہے جس کا جاننا مفید نہیں ہے اور نہ جاننا مضر نہیں ہے۔

امام محمد باقرؑ کا ارشاد ہے کہ

"انسان کا سب سے بڑا کمال علم دین حاصل کرنا، مصائب پر صبر کرنا، اور معیشت کو معین رکھنا ہے۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۳۲)

حماد نے امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے کہ

"پروردگار جب کسی بندے کو خیر دینا چاہتا ہے تو علم دین دیتا ہے۔" (اصول کافی ج ۱، ص ۳۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ارشاد ہے کہ

"علماء امانتدار ہیں، متقی قلعے ہیں اور اوصیاء سردار ہیں۔"

فرزند! یاد رکھو کہ علم کا مذاکرہ عبادت ہے۔ اس سے غافل نہ رہنا۔ مرسلِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مذاکرۂ علمی کرو۔ آپس میں ملاقات اور گفتگو کرو کہ حدیث سے دل کی جلا ہوتی ہے۔ قلوب بھی تلوار کی طرح زنگ آلود ہوجاتے ہیں اور ان کی صیقل حدیث ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۳۲)

امام محمد باقرؑ نے فرمایا ہے کہ

"اللہ اس بندے پر رحمت نازل کرتا ہے جو علم کو زندہ کرے یعنی اہلِ دین اور اہلِ تقویٰ سے مذاکرہ کرے۔"

(اصول کافی ج ۱، ص ۴۱)

فرزند! خدا تمہیں علم اور عمل صالح کی توفیق کرامت فرمائے۔ اگر حالات زمانہ کی بناء پر کسبِ معاش ضروری ہوجائے اور کسبِ معاش نہ کرنا موجبِ ذلت اور باعثِ ارتکاب محرمات ہوجائے تو خبردار کسبِ معاش کے پیچھے تحصیلِ علم کو یکسر نظر انداز نہ کردینا بلکہ تھوڑی دیر تحصیل علم کرنا اور تھوڑی دیر کسبِ معاش۔ روایات و تجربات کا خلاصہ یہ ہے کہ زیادہ دوڑ دھوپ کرنے سے رزق میں اضافہ نہیں ہوتا اور کم وقت صرف کرنے سے اس میں کمی نہیں ہوتی۔ (مستدرک وسائل ج ۲، ص ۴۱۸)

خبردار! تحصیلِ علم چھوڑ کر تمام عمر معیشت جمع کرنے میں صرف نہ کردینا

کہ یہ حیوانوں کا انداز ہے بلکہ ان سے زیادہ گراہی ہے کہ انسان اپنی ذمہ داریوں سے واقف رہے اور اس کی تلاوت و دعا فقط ایک جنبش زبان بن جائے جس کا کوئی مفہوم نہ ہو۔

یہ خیال رہے کہ زبان کو کذب اور بہتان سے پاک رکھنا ائمہ معصومینؑ کی طرف بغیر تحقیق کسی بات کو منسوب نہ کرنا۔ مصائب میں فقط معتبر روایات پر اکتفا کرنا۔ یہ خیال کبھی نہ آئے کہ کثرت بکا کثرت ذکر مصائب پر موقوف ہے۔ گریہ دل پر اثر سے پیدا ہوتا ہے روایات کی تشکیل سے اور اثر کا بہترین ذریعہ یہ ہے کہ پہلے اہلِ بیت طاہرینؑ کی کرامات وفضیلت بیان کی جائے تاکہ ان کی عظمت اور شخصیت کا احساس پیدا ہوجائے اس کے بعد مصیبت کا ذکر کیا جائے کہ اس طرح ذکر بے ساختہ دل پر اثر کرتا ہے۔

فرزند! خبردار، علم کے بلند ترین درجہ پر پہنچنے کے بعد بھی ریاست کی فکر نہ کرنا کہ یہ باعثِ ہلاکت اور سبب فنائے دین ہے۔ میں تمہیں تجربہ کی بات بتاتا ہوں کہ ریاست پانے کے بعد تم حق کی تلخی برقرار رکھو گے تو راحت ختم ہوجائے گی اور لوگ برا بھلا کہیں گے اور اگر لوگوں کی خواہش کے ساتھ چلو گے تو آخرت کا خسارہ ہوگا۔

فرزند! ریاست سے اسی طرح بھاگو جس طرح شیر سے فرار حاصل کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جو چیز عبادت سے غافل کردے اس میں کوئی خیر نہیں ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں کوئی رئیس ایسا نہیں دیکھا جو دیانتداری سے کام کرتے اور لوگوں کے طعن وطنز کا نشانہ نہ بنے۔ لوگ اس کے مال وآبرو کو مباح سمجھ لیتے تھے اور ان کی نظروں میں اسے گالیاں دینا بھی جائز ہوجاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ناقدری جیسے

برتاؤ کیا جاتا ہے۔

خبردار! ریاست کے اسباب فراہم نہ کرنا۔ اس کے جال نہ بچھانا۔ اس کے مقدمات نہ فراہم کرنا کہ اپنے ہی ہاتھوں اپنے کو ہلاکت میں ڈال دو اور دین و دنیا کی راحت سے محروم ہو جاؤ۔ ہاں از خود آجائے تو قبول کر لو لیکن ہر آن اپنے نفس کی نگرانی کرتے رہنا کہ نفس کا خطرہ عظیم ہے اور لغزش کے امکانات کثیر ہیں، منفعت کم ہے اور مضرت زیادہ، محفوظ رہنے والے قلیل ہوتے ہیں۔ اور پھسل جانے والے زیادہ، صاحب ریاست عالم کے لیے چند طرح کے خطرات پائے جاتے ہیں جن کی نشاندہی ضروری ہے:

پہلا خطرہ:

قضاوت: قضاوت ایک سم قاتل اور زہر ہلاہل ہے اس سے ہوشیار رہنا۔ اس میں اکثر پیر پھسل جاتے ہیں اور انسان تباہ ہو جاتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس زمانے میں جبکہ دیانتدار کم اور شیطان کے بندے زیادہ ہو گئے ہیں۔ مرد عاقل ایسے عمل پر کیسے اقدام کرے گا جس کے تین چوتھائی عمل کرنے والے جہنمی ہیں اور صرف ایک چوتھائی جنتی۔ *

صاحب عقل ایسے معاملہ پر کیسے تیار ہوگا جس میں خسارہ کا امکان زیادہ ہے۔ اور فائدہ کا امکان کم۔ دیندار ایسی جگہ بیٹھنے کی ہمت کیسے کرے گا جہاں نبی و وصی بیٹھتے ہیں یا مرد شقی۔ (وسائل ص ۳۶۹)

---

* اس لیے کہ جو دیدہ و دانستہ غلط فیصلہ کرے گا وہ بھی جہنمی ہے اور جو لاعلمی میں غلط فیصلہ کرے گا وہ بھی جہنمی ہے اور جو لاعلمی میں صحیح فیصلہ کرے گا وہ بھی جہنمی ہے کہ ایسا اقدام کیوں کیا جس میں غلطی کا واضح امکان تھا۔ صرف وہ شخص جنتی ہے جو حق کا فیصلہ کرے اور وہ بھی علم و اطلاع کے ساتھ۔ اس طرح تین چوتھائی افراد جہنمی ہوئے، ایک چوتھائی جنتی۔ (جوادی)

کے اپنے نفس کی طرف سے اطمینانِ کامل ہے اور کون اپنے بارے میں نبوت و وصایت کا احتمال دیتا ہے کہ شقاوت سے محفوظ ہو جائے۔

خبردار! شیطان کے بہکاوے میں نہ آنا اور قضاوت کو واجبِ عینی سمجھ کر اس کے چکر میں نہ پڑ جانا کہ لاعلمی میں ہلاک ہو جاؤ، ہاں کسی ایسے علاقہ میں پہنچ جاؤ جہاں کوئی دوسرا نہ ہو اور خالی الذہن ہو کر سوچنے پر بھی قضاوت واجب عینی نظر آئے تو حتی الامکان فریقین میں صلح کرانے کی کوشش کرو اور حق کے واضح ہو جانے کے بعد بھی احتیاط سے کام لینا۔

دوسرا خطـــرہ:

خیانت: فقراء و مساکین، اولادِ رسولؐ، رعایا کے حقوق میں خیانت کبھی بغیر دلیلِ شرعی کے اپنے اور اپنے اہل و عیال کو دوسروں پر مقدم کرنے میں ظاہر ہوتی ہے اور کبھی مال کے صرف کرنے میں خواہش کے اتباع اور حقدار تک پہنچانے میں خلوص کی کمی سے نمایاں ہوتی ہے۔

خبردار! حقوقِ شرعیہ میں مرجع بن جاؤ تو میرے والد مرحوم طاب ثراہ کی ان نصیحتوں کو نگاہ میں رکھنا:

۱۔ حتی الامکان حقوق شرعیہ کو اپنی ذات پر صرف نہ کرنا اور ہدیہ وتحفہ پر گزارا کرنا اس لیے کہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر ابتدا میں بقدرِ ضرورت حق لینے کی عادت پڑ گئی تو آگے چل کر ضرورت کا دائرہ وسیع ہو جائے گا اور زینت و جمال پر بھی مال صرف ہوگا اور آخر میں ملکیت و جائداد کی فراہمی بھی ضرورت کے دائرہ میں شامل ہو جائے گی جو ہلاکت کا بہترین ذریعہ ہے اور جس کے بعد انسان عذابِ دائمی کا حقدار ہو جاتا ہے۔ حقوق کی حیثیت شبہات کی ہے کہ جو اس

کے گرد چکر لگائے گا۔ ایک دن ضرور مبتلا ہو جائے گا۔

ہاں اگر مرجع تقلید و حقوق نہیں ہو تو بقدر ضرورت اپنا حق لے سکتے ہو اور خبردار یہ خیال نہ کرنا کہ حقوقِ شرعیہ کو استعمال نہ کرو گے تو بھوکے مر جاؤ گے۔ اس لیے کہ رزق کا مسئلہ مضمون ہے، اس کا ذمہ دار معتبر ہے۔ وہ حقوق سے اجتناب کرتے دیکھے گا تو ہدیہ و تحفہ سے پیٹ بھر دے گا جیسا کہ مسلسل دیکھنے میں آیا ہے اور حقوق شرعیہ استعمال نہ کرنے کے عجیب و غریب اثرات دیکھے گئے ہیں۔ اس سے قلب میں نور، عمر میں برکت، اطاعت کی توفیق اور لغزشوں سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ ربّ کریم تمہیں بھی ایسے مشاہدے کرا دے کہ اعتماد اور بھی پختہ ہو جائے کہ بیان مثل عیان نہیں ہوتا۔

۲۔ ہمیشہ حقوق کی تقسیم میں قربتِ خدا کا خیال رہے اور اپنے ذاتی اغراض کو محور نہ بنانا کہ اپنے خدام اور مریدوں میں تقسیم کر دو اور جو دور رہے اسے محروم کر دو یا قریب والے کا حصہ زیادہ رکھو اور دور والے کا حصہ کم۔ صرف اس لیے کہ وہ اظہارِ خلوص و محبت کرتا ہے اور دوسرا ایسا نہیں کرتا، خبردار ہمیشہ وجوہِ شرعیہ پر نگاہ رکھنا اور شرعی اسباب کی بناء پر ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا اس لیے کہ ایصالِ حقوق عبادت ہے اور عبادت میں قصد قربت ضروری ہے۔ اگر نیت صادق نہ ہوگی تو صاحبِ حق اور فقیر دونوں کی طرف سے ذمہ داری باقی رہ جائے گی اور روزِ قیامت شفاعت کرنے والے فریق بن جائیں گے۔ دنیا میں بھی خسارہ ہوگا کہ مال ہاتھ سے نکل گیا اور آخرت میں بھی خسارہ ہوگا کہ نیت صاف نہ ہونے کی بناء پر ثواب بھی نہیں ملا اور آخرکار نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم، نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے، ہو جاؤ گے۔

تیسرا خطــــرہ :

فتوی میں جلد بازی: خبردار، فتوئی میں جلد بازی سے احتیاط کرنا کہ یہ بدترین مرض ہے اور تمام ابواب فقہ پر نظر کیے بغیر فتوئی نہ دینا۔ ممکن ہے کہ ایک باب کے مسئلے کی دلیل دوسرے باب میں پائی جاتی ہو اور تم صرف ایک متعلقہ باب کا مطالعہ کرکے فتوئی دے دو اور اس طرح مستحقِ عذاب الیم ہوجاؤ۔ میں نے اکثر یہ دیکھا ہے کہ بعض علماء نے صرف ایک بار کی روایات کو دیکھ کر یا اطلاقات پر اعتماد کرکے فتوئی دے دیا اور بعد میں ان کا فتوئی اجماع اصحاب کے خلاف ثابت ہوا اس لیے کہ انہوں نے دوسرے ابواب کے مطالعہ کی زحمت ہی گوارا نہ کی۔

اگر تم خچر کو کرایہ پر دینے کے بارے میں ابو ولاد کی روایت کا مطالعہ کرو گے تو تمہیں اندازہ ہوگا کہ فتوئی کا مسئلہ کس قدر سنگین ہے اور جب درہم کے بارے میں غلط فتوئی آسمان کے پانی اور زمین کی برکتوں کے رک جانے کا سبب بن جاتا ہے تو کثیرِ اموال، آبرو اور نفس محترم کے بارے میں غلط فتوئی کا انجام کیا ہوگا؟

علامہ حلیؒ کے بارے میں نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے مرنے کے بعد خواب میں اپنے فرزند کو خبر دی کہ اگر کتاب الفین اور زیارت امام حسینؑ نہ ہوتی تو فتوؤں نے مجھے برباد ہی کردیا تھا حالانکہ وہ واقعی شیخ تھے اور ان کی نگاہ تمام مدارک، روایات، اسناد اور رجال پر تھی تو دوسروں کا کیا انجام ہوگا؟

خبردار، مکمل اطلاع سے پہلے فتوئی نہ دینا اور مکمل اطلاع کے بعد بھی حتی الامکان پرہیز کرنا۔ ہاں عوام کے گمراہ ہوجانے اور جاہلوں کے منظر عام پر آجانے کا خطرہ ہو تو ضرور اقدام کرنا لیکن پوری احتیاط کو پھر بھی نگاہ میں رکھنا۔

چوتھا خطـــرہ:

حب جاہ: مرجعیت کے ساتھ عام طور سے جاہ وجلال کی محبت بھی آجاتی ہے اور یہی چیز اجر کو فنا کردینے والی اور انسان کو ہلاکت میں ڈال دینے والی ہے۔ خبردار اس خطرہ سے ہوشیار رہنا اور اپنے نفس کی نگرانی کرتے رہنا۔ نفس ہمیشہ برائیوں کا حکم دیتا ہے جب تک رحمتِ پروردگار شاملِ حال نہ ہوجائے۔ خدا تمہیں اور مجھے اصلاحِ نفس اور خواہشات سے دور رہنے کی توفیق کرامت فرمائے۔ وہی اپنے بندوں پر لطف کرنے والا اور اپنے مقصد کو نافذ کرنے والا ہے۔

پانچواں خطـــرہ:

جعل سازی: خبردار، تمہارا باطن ظاہر کے خلاف نہ ہونے پائے کہ باہر سے زہد وقناعت کا اظہار کرو اور اندر یہ جذبہ نہ ہو کہ دورِ حاضر میں یہ بات عام ہوگئی ہے۔

خبردار، ہوشیار رہنا کہ یہ شرکِ خفی ہے اور غور کرو تو شرکِ جلی بھی ہے کہ گویا بندہ خدا کے علاوہ دوسروں کی عبادت کرنا چاہتا ہے اور ان کے خیال میں ڈوبا ہوا ہے جبکہ باطن بھی چھپنے والا نہیں ہے۔ ایک دن اس کا بھی اظہار ہوگا تو انسان نگاہوں سے گر جائے گا اور عوام میں رسوا ہوجائے گا۔ (اصول کافی ج ۲، ص ۲۹۳)

فصل پنجم

امورِ معاش سے متعلق وصیتیں:

فرزند! جب تک عتبات عالیات میں زندگی کا سہارا رہے۔ دوسرے مقام پر قیام نہ کرو اور جب مجبور ہو جاؤ تو وہ علاقہ تلاش کرو جہاں اہلِ اصلاح و تقویٰ اور صاحبانِ علم و فہم رہتے ہوں۔ عتباتِ عالیات میں بھی حرم محترم سے قریب تر مکان میں رہنا کہ ہر حال میں زیارت سے مشرف ہو سکو اور دوسرے شہروں میں وسطِ شہر میں قیام کرنا کہ وسطِ بلاؤں سے زیادہ محفوظ رہتا ہے۔

اور یاد رکھو کہ جب تک ملکیت یا وقف کا مکان مل سکے کرایہ کے مکان میں نہ رہنا کہ وقف و ملکیت کا معمولی مکان بھی کرایہ کی کوٹھی سے بہتر ہوتا ہے۔ کرایہ کے مکان میں ہر وقت ذلت کا اندیشہ رہتا ہے۔

مکان خریدنا چاہو یا کرایہ پر لینا چاہو تو پہلے ہمسایہ کی تحقیق کرو کہ میں نے جب بھی اس نکتہ سے غفلت برتی ہے تلخ تجربات کا سامنا کیا ہے۔

مکان کی تعمیر کرنا چاہو تو سارا مکان ایک سال میں نہ بناؤ بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تعمیرا کرو اور بلا وجہ سارا مکان منہدم نہ کرو بلکہ جس قدر قابلِ تعمیر ہو اسی کی مرمت کرو تا کہ اسراف اور فضول خرچی نہ ہونے پائے۔

مالِ دنیا کتنا ہی زیادہ ہو، مکان زیادہ منظم اور آراستہ تعمیر نہ کرو کہ دنیا رہنے کی جگہ نہیں ہے۔ اس میں صرف مقدار ضرورت پر اکتفا کرنا چاہیے اور باقی مال کو تعمیر آخرت ف کرنا چا کہ دوسروں کے مکان کی مرمت کرا دے،

نا کتخداؤں کی شادی کرا دے اور محتاجوں کی حاجت روائی کر دے۔

ممکن ہو تو وسیع مکان میں قیام کرو کہ مکان کی وسعت اسباب سعادت و نیک بختی میں ہے، چاہے دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ (مستدرک ج ۲، ص ۵۳۴)

فرزند! لباس میں بھی متوسط درجے کے لباس پر اکتفا کرو جسے مالدار اور فقیر دونوں اختیار کر سکیں کہ اگر تم فقیر ہو تو اپنی حد کے اندر رہو گے اور کسی اسراف میں مبتلا نہ ہو گے اور صاحب دولت ہو تو تمہارا یہ عمل زہد و تقویٰ میں شمار ہوگا اور اس سے فقراء کی تسکین خاطر بھی ہوگی۔ یاد رکھو کہ دنیا دار انقلاب ہے۔ یہ کسی وقت بھی پلٹا کھا سکتی ہے۔ ایسا طریقہ نہ اختیار کرو کہ انقلاب کے بعد پریشانی پیدا ہو جائے۔

خبردار، ایسا لباس اختیار نہ کرنا جو غربت یا دولت کی شہرت کا ذریعہ ہے کہ یہ دونوں باتیں روایات میں مذموم قرار دی گئی ہیں۔ لباس میں نظافت اور طہارت کا خاص خیال رکھنا کہ یہ بات شرعاً مطلوب ہے۔

فرزند! ہم نشینی کے لیے اچھے انسانوں کا انتخاب کرنا کہ انسان اپنے ہم نشین سے پہچانا جاتا ہے اور خبردار فاسد العقیدہ، بدعمل، پست کردار انسانوں کے ساتھ نہ بیٹھنا کہ انسان پر صحبت کا بہرحال اثر پڑتا ہے۔ امیرالمومنینؑ نے اپنے "دیوان مشہور" میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور لقمان حکیم نے بھی اپنے فرزند کو وصیت کی ہے مجالس کا دیکھ بھال کر انتخاب کرنا جہاں دیکھو کہ ذکر خدا ہو رہا ہے وہاں بیٹھ جاؤ کہ تم عالم ہو گے تو تم سے لوگ فائدہ اٹھائیں گے اور جاہل ہو گے تو تمہیں علم دین دیں گے۔ شاید خدا ان پر رحمت نازل کرے تو تم بھی شریک رحمت ہو جاؤ۔ (وسائل)

امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا ہے کہ "کوڑے کے ڈھیر کے قریب کھڑے ہو کر عالم سے گفتگو کرنا فرش مخمل پر بیٹھ کر جاہل سے بات کرنے سے بہتر ہے۔

(اصول کافی ج ۱ ص ۳۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اہلِ دین کی ہم نشینی شرفِ دنیا و آخرت ہے۔'' (اصول کافی)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: ''معتبر افراد کے پاس بیٹھنا ایک سال کے عمل سے زیادہ بہتر ہے۔ (اصول کافی ج ۱، ص ۳۹)

امیرالمومنینؑ کا ارشاد ہے کہ'' خبردار پست انسانوں کے ساتھ نہ رہنا کہ ان سے کسی چیز کی امید نہیں ہے۔ شیخ صدوق علیہ رحمہ فرماتے ہیں کہ روایت میں پست انسانوں کی تفسیر حسبِ ذیل معانی سے کی گئی ہے:

۱۔ پست وہ ہے جسے نہ یہ خیال ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں اور نہ یہ ہوش ہو کہ میرے بارے میں کیا کہا جا رہا ہے۔

۲۔ پست آدمی باجا بجانے والے کو کہتے ہیں۔

۳۔ پست آدمی وہ ہے جو اہلیت نہ رکھنے کے باوجود قیادت کا دعویٰ کرے۔

۴۔ پست آدمی وہ ہے جسے نہ نیک برتاؤ سے خوشی ہو نہ بدسلوکی سے افسوس ہو۔

البتہ اگر ایسے لوگوں کی صحبت سے اصلاح کی امید ہو اور یہ خیال ہو کہ ان کی اصلاح ہو جائے گی اور ان کے کردار کا اپنے اوپر کوئی اثر نہ ہوگا تو بقدرِ ضرورت ان کے ساتھ رہنا چاہیے اس لیے کہ مردانگی فقط اپنے نفس کی اصلاح کرکے اسے جہنم سے بچا لینے کا نام نہیں ہے بلکہ دوسروں کی تادیب کرنا اور ان کی اصلاح کرنا بھی ضروری ہے اور اسی لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو واجب کیا گیا ہے اور اس پر سارا زور اسی لیے دیا گیا ہے کہ دوسروں کو اطاعت کی طرف لایا جائے اور جہنم سے بچایا جائے۔

فرز ! عقد کرنا تو صحیح النسب عورت کا انتخا کرنا کہ اس سے اولاد کو

پیدا ہوتا ہے اور وہ تمہاری نسل کے لیے ایک ظرف ہے اور ظرف اور دودھ کا بچہ پر اثر ہوتا ہے۔ اس میں نیک اوصاف کا بھی لحاظ رکھو اور ایمان و تقویٰ کے ساتھ شکل و صورت کا بھی لحاظ کرو کہ پھر دوسری عورت کی طرف میلان نہ پیدا ہو اور خاطر خواہ انس فراہم ہوتا رہے۔

حسن و جمال کی خاطر عقد سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ دین و کردار کے بجائے انہیں بنیاد نہ بناؤ۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس کا لحاظ ہی نہ کرو۔ یہی حال مال و دولت ہے کہ اسے دین و کردار کا بدل نہ قرار دو ورنہ صاحب مال عورت ادائے حقوق کی پابند ہے تو اس سے عقد کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے اختیار کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ اس کا مال تمہاری اولاد کے کام آئے گا۔ وہ سکون کے ساتھ علم دین حاصل کرسکیں گے اور بے فکری سے کام کرسکیں گے بشرطیکہ دین و نجابت کا معاملہ استوار رہے اور خبردار، ''نو دولت'' خاتون سے عقد نہ کرنا کہ اس میں دولت کا غرور ہوگا اور وہ تمہیں حقیر سمجھے گی۔ روایات میں ''نو دولت'' شخص سے قرض لینا تک مکروہ قرار دیا گیا ہے کہ اس میں احساسِ بلندی زیادہ ہوتا ہے بلکہ ''نو دولت امیر'' اور نجیب و شریف فقیر خاتون میں معاملہ دائر ہوجائے تو فقیر سے عقد کرلے کہ نو دولت عورت بھی بنیادی طور پر فقیر ہی ہوتی ہے صرف دولت کے غرور کا اضافہ ہوجاتا ہے۔

فرزند! اپنی زوجہ، دختر اور تمام اہل محرم خواتین کو گھر کے اندر رکھو اور بلاضرورت نہ جانے دو کہ عورت قوتِ امتیاز کی کمزوری کی بنا پر دوسری عورتوں سے اثر قبول کرکے دین و دنیا دونوں کو تباہ کرسکتی ہے۔

اور دیکھو اپنی اولاد کی۔ کا مکمل خیال رکھنا انہیں شرم عقلم آ

سے آراستہ کرنا۔ یہ کبھی نہ سوچنا کہ ابھی بچے ہیں اور حکم خدا کے مخاطب نہیں ہیں کہ جن کی تربیت بچپن سے نہیں ہوتی ہے ان کی تربیت بڑے ہو کر بھی مشکل ہو جاتی ہے۔

بچوں کو احکام دین، آثار شریعت کی تعلیم دو کہ بچپنے کا نقش محو نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کے بعد معجزات کی کتابوں کی تعلیم دو کہ عقیدہ صرف موروثی نہ ہو بلکہ دلیل و برہان سے حاصل ہو۔

سب سے زیادہ خیال اس بات کا رکھو کہ بچے گھر سے تنہا نہ نکلنے پائیں اور دوسروں کے ساتھ نہ کھیلنے پائیں اور کھیلیں تو اپنے ہی گھر میں کھیلیں کہ بچوں کی طبیعت بہت جلد اثر قبول کرتی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اغیار سے متاثر ہو جائیں۔ طلب علم کے مرحلہ میں بھی اپنے بچے کو ضرورت سے زیادہ دوسرے بچوں کے ساتھ نہ رہنے دو اور وہاں مذاکرہ اور مباحثہ کا انتظام کرو جہاں تیسرا دیکھنے والا ہوتا کہ اپنے ساتھی سے شیطنت اور فساد نہ سیکھ سکیں یہ تمام باتیں میں نے تجربہ کی بناء پر لکھی ہیں کہ بچپنے میں میرا ایک ساتھی انتہائی شریف اور شریف خاندان کا تھا لیکن اس کے باوجود اس کی وجہ سے میں نے سگریٹ نوشی سیکھ لی اور اس کا خمیازہ آج تک بھگت رہا ہوں۔ جب چھوڑنے کا ارادہ کیا، عادت کی وجہ سے کوئی نہ کوئی بیماری پیدا ہو گئی اور پھر ترک نہ کر سکا اور آج تک اس اثرِ صحبت کو برداشت کر رہا ہوں۔ اور خبردار بچوں کو پیسے کا عادی نہ بنانا کہ اس میں بڑے عظیم مفاسد ہیں۔ ان کا دل دولت سے آشنا ہو جاتا ہے اور یہ محبت دل سے نہیں نکلتی پھر وہ اسے ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتے ہیں اور یہ فسادِ اخلاق کا بدترین ذریعہ ہے۔

فرزند! خبردار اولاد لڑکا ہو یا لڑکی اسے اچھے کھانے کپڑے کا عادی نہ بنانا ورنہ اگر زمانہ نے ساتھ نہ دیا تو وہ سخت مصیبت میں پڑ جائیں گے اور اگر اوسط

درجہ کے عادی رہے تو بہتر مل جانے پر خوش ہوں گے۔ اس بات کا خصوصیت سے خیال رکھنا کہ اولاد کی شادی ابتداءِ بلوغ ہی میں کر دینا کہ ان کا دین اور آبرو محفوظ رہے۔ اور کسی طرح کا فساد نہ پیدا ہو سکے۔ اس سلسلہ میں غربت کا خیال نہ کرنا کہ پروردگار نے رزق کا وعدہ کیا ہے۔

اگر تم نے میرے ان احکامات پر عمل نہ کیا تو میرے لیے عاق شمار ہو گے اور میری روح تم سے خوش نہ ہوگی۔

فرزند! میری تمام وصیتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمیشہ معاش و معاد کے مسائل پر غور کرتے رہنا اور جو شرعاً بہتر ہو اسے اختیار کرنا، انجام کار نگاہ میں بہرحال رہے تاکہ پروردگار تمہیں جملہ پسندیدہ اعمال کی توفیق دے اور تمہارے مستقبل کو ماضی سے بہتر بنا دے۔

آیۃ اللہ شیخ عبداللہ مامقانی طاب ثراہ

— ولادت —

۱۲۹۰ ہجری

— وفات —

۱۳۵۱ ہجری

— مدفن —

نجف اشرف، عراق

علامہ سید ذیشان حیدر جوادی طاب ثراہ

ولادت بمقام: کراری، الہ آباد، انڈیا

۲۲ رجب ۱۳۵۷ھ ـ ۱۷ ستمبر ۱۹۳۸ء

وفات بمقام: ابوظہبی ـ یو ـ اے ـ ای

۱۰ محرم ۱۴۲۱ھ ـ ۱۵ اپریل ۲۰۰۰ء

مدفن: بارہ بنکی، ہندوستان